قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جون ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا چندہ سالانہ [illegible]

مقامی انجمنوں کیلیئے رجسٹر و رسید بک — مقامی انجمنوں کیلیئے حساب کو باقاعدہ رکھنے کیلیئے ضروری ضروری رجسٹر چھپوا کر تیار کروائے گئے ہیں اسی طرح رسید بکس بھی تیار ہیں۔ جس سے معطی کو رسید دینے اور اسکا مثنیٰ دفتر میں رکھنے میں بہت آسانی ہوتی ہے قیمت ۵۰ صفحے کے مجلد رجسٹر کی عہ اور غیر مجلد کی ۱۲ر اور ہر ایک رسید بک کی

نقل معائنہ مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان

آج مینے بمعیت لالہ گردھاری لال بی۔اے اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس مدرسہ ہذا کا معائنہ کیا لیکن مدرسہ کو امپائرڈے کی تعطیل کیوجہ سے بند پایا۔ تعداد طلبار اسوقت ۲۰۵ ہے۔ یعنی سالانہ معائنہ کی نسبت ۲۱ کی زیادتی ہے امید کیجاتی ہے کہ نئی تعمیر جلدی شروع کیجاویگی۔ کیونکہ اینٹیں پک کر موقعہ پہ جمع ہیں۔ بعض رجسٹروں کی پڑتال کی گئی۔ امور قابل توجہ ایک یادداشت ہیڈماسٹر صاحب کے پاس چھوڑ دیگئی۔ مدرسہ ہذا ہرسال دو دو تین تین مدرس ٹرینگ کالج بھیجنے میں مستعدی سے ترقی کر رہا ہے تین استاد واپس آچکے ہیں اور دو بھیجے گئے ہیں انجمن معلمین کے پندرہ روزہ اجلاس اور طلبار کے ہفتہ وار اجلاس کیئے جاتے ہیں۔ مدرسہ کی خوش قسمتی ہے کہ اس نے مولوی صدرالدین صاحب کی خدمات کو حاصل کیا گو یہ عارضی طور سے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ انکے ماتحت مدرسہ بڑی ترقی کریگا۔

دستخط

ایم۔ کراس انسپکٹر مدارس لاہور ڈویژن مورخہ ۲۴ مئی سنہ ۱۹۰۹ء

براہین احمدیہ ہر چہار جلد:۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے دست مبارک کا چھپوایا ہوا اصل ایک نسخہ براہین احمدیہ ہر چہار جلد فرسٹ اڈیشن بک ڈپو میگزین میں موجود ہے۔ جسکی قیمت علاوہ محصولڈاک عـــ۵ـــہ ہے۔ جس صاحب کو ضرورت ہو۔ بذریعہ دی پی یا نقد قیمت ارسال کر کے طلب کریں۔

اعلان:۔ جن احباب نے احمدی زمینداروں سے بجائے نقدی کے غلہ چندہ کیطور پر جمع کیا ہے وہ مہربانی فرماکر اسے فروخت کر کے نقدی بذریعہ منی آرڈر ارسال فرماویں۔ غلہ اسجگہ بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے خرچ زیادہ پڑیگا۔ بلکہ اسی جگہ غلہ عام نرخ پر فروخت کیا جاوے۔ (محمد علی سکرٹری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

زلزلہ اور دعا

انما مثل الحیوٰۃ الدنیا کماءٍ انزلناہ من السماء فاختلط بہٖ نبات الارض مما یاکل الناس والانعام ۔ حتی اذا اخذت الارض زخرفہا وازینت وظن اھلہا انہم قادرون علیہا اتٰہا امرنا لیلاً او نہاراً فجعلنٰہا حصیداً کان لم تغن بالامس ۔ کذٰلک نفصل الاٰیات لقوم یتفکرون ۝ سورت یونس آیت ۲۵

ترجمہ - دنیا کی زندگی کی مثال تو بس پانی کی سی ہے کہ ہم نے اسکو آسمان سے برسایا پھر زمین کی روئیدگی جسکو آدمی اور چارپائے کھاتے ہیں پانی کیساتھ ملگئی اس طرح پر کہ پانی کو جذب کیا اور وہ پھلی پھولی جب زمین نے (فضل سے) اپنا سنگار کیا اور خوش نما ہوئی اور کھیت والوں نے سمجھا کہ اب وہ اس پر قابو پاگئے (ناگاہ) رات کیوقت یا دن کیوقت ہمارا عذاب اس پر نازل ہوا پھر ہم نے اس کا ستھراؤ کر دیا گویا کل (کھیت میں) اس . . . کا نام و نشان ہی نہ تھا اس طرح ہم اپنی آیات کو کھول کھول کر سناتے ہیں تا لہ لوگ سوچیں اور سمجھیں۔

جب کوئی سانحۂ عظیم دنیا میں واقع ہوتا ہے اور اس کے ساتھ مال و جان کا بڑا نقصان ہو جاتا ہے تو یہ ایک طبعی امر ہے کہ لوگ اس امر کے متعلق مختلف قسم کے خیالات میں پڑ جاتے ہیں ایک گروہ وہ ہوتا ہے۔

جس کے لیئے یہ حادثہ عظیم دنیا اور اس کی عمدہ چیزوں کی ناپائداری اور چند روزہ ہونے کی خبر دیتا ہے اور ان کے دلوں کو حیات مابعد الموت اور حیات ابدی کی طرف متوجہ کردیتا ہے مگر ایک بڑا گروہ ایسے لوگوں کا ہوتا ہے جن کی نظریں اس سفلی زندگی سے اوپر نہیں اٹھتیں اور جو دنیا کے کاروبار میں اس قدر مستغرق ہوتے ہیں کہ ان کے لیئے یہ صدمہ تھوڑی دیر تشویش کا موجب ہوتا ہے مگر معاً پھر اپنے کاروبار میں اسی طرح غرق ہو جاتے ہیں؛

بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کے لیئے ایسی باتیں اس امر کی محرک ہو جاتی ہیں کہ وہ بنی نوع انسان کی فلاح اور بہبودی کے لیئے مصروف ہو جاتے ہیں اور جو اپنی توجہ اور وقت ہر دو اس بات میں لگا دیتے ہیں کہ تا دنیا آیندہ اس قسم کی بلاؤں سے بچ جاوے مگر بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ اچانک تباہی دیکھکر خدا کے رحم محبّت اور عدل سے بھی منکر ہو جاتے ہیں۔

یہی حالت مسینا کے خطرناک زلزلہ نے پیدا کردی ہے اور لوگ مختلف قسم کے خیالات میں پڑ گئے ہیں اگرچہ گروہ عظیم پر تھوڑے عرصہ کے لیئے بسبب مصیبت کے ہیبتناک ہونے اور مرکز تہذیب کے قریب ہونے کے بہت اثر ہوا مگر اب جبکہ وہ صدمہ گذر گیا ہے تو اسی عظیم الشان حادثہ میں جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں کوئی نہیں ملتی انہی لوگوں کے لیئے سبق یا نصیحت حاصل کرنیکی کوئی بات نہیں اور کوئی ایسا امر نہیں کہ ان کی روزمرّہ کی زندگی میں کسی طرح خلل انداز ہو سکے مگر بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ بسبب مسینا کے زلزلے کے ان کے ایمانوں پر زلزلہ آگیا ہے اور وہ خدا کے منکر ہو بیٹھے ہیں اگر ایمان کی بنیادیں زیادہ مضبوط اور گہری ہوتیں تو وہ زلزلہ کا مقابلہ کرتا اور اس طرح پاؤں سے نہ ہلجاتا جسطرح معمولی اینٹ پتھر کی دیواریں ہلگئی ہیں مگر سطحی ایمان جس کے حاصل کرنیمیں کوئی دقت لاحق نہیں ہوتی ضایع بھی جلدی ہو جاتا ہے؛

اگر ان معاملات مین ہم زیادہ غور سے کام لیں تو ہمیں پتہ لگجائیگا کہ صرف ان بڑی مصیبتون کی وجہ سے جنکو ہم قہر الٰہی سے تعبیر کر سکتے ہیں لوگونکو خدا کے رحم محبّت. عدل. قدرت. اور ربوبیّت پر ہی اعتراض پیدا نہیں ہوئے ہیں بلکہ دنیا میں ہر ایک قسم کی بُرائی اور تکلیف مثلاً گناہ. بیماری دکھ اور درد اور موت فوت وغیرہ کے موجود ہونے سے بھی لوگونکو خدا کی ذات پر شبہات اور اعتراضات پیدا ہوئے ہیں ایک بڑا زلزلہ جو خوبصورت شہر و نکو تہ وبالا کر دیتا ہے۔ اور اس کے باشندوں کو آن کی آن میں زندہ در گور کر دیتا ہے اور ایک لحظہ مین اس تمام خطہ کو ملیا میٹ کر دیتا ہے ایک بڑا سیلاب جو مال وجان ہر دو کو بہا لیجاتا ہے ایک شدید قحط جو سرسبز قطعات کو تباہ وبنجر بنا دیتا ہے اور ایک خوفناک اور زہریلی وبا جو گھرانوں کے گھرانوں اور کنبوں کے کنبوں کا نام ونشان مٹا دیتی ہے ایک آتش فشان پہاڑ جس کے مونہہ سے آگ کی طرح دھکتی ہوئی ندی لاوی کی نکلی چلی آتی ہے اور جو خوبصورت سے خوبصورت مقامات کو وحشتناک اور ڈراؤنی شکل کے جنگلوں میں مبدل کر دیتا ہے اور جس چیز کو چھوجاتا ہے ان سب کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتا ہے یہ موت اور دُکھ کی صرف وہ مثالیں ہیں جن کیطرف بیرونی دنیا کی نظریں بہت جلد متوجہ ہو جاتی ہیں کیونکہ نسبتاً یہ زیادہ مقدار میں معلوم ہوتی ہیں اور انکا اثر بھی زیادہ ہوتا ہے کیونکہ یہاں دکھ اور مصیبت مجموعی رنگ میں نظر آتی ہے اور دوسری جگہوں مین صرف انفرادی اور جزوی شکل مین دکھائی دیتی ہے لیکن بنی نوع انسان پر جو روزمرّہ اور عام طور سے حادثات ہوتے رہتے ہیں اگر ہم انکی طرف نگاہ ڈالیں تو وہی نظارہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے جو کسی بڑے حادثے کیوقت پیدا ہوتا ہے ان والدین کے رنج وغم کا کون اندازہ کر سکتا ہے جن سے انکی آنکھ کا نور اور دل کی ٹھنڈک یعنے انکا پیارا اور چہیتا بچہّ یک لخت ظالم بیماری .... جدا کر دیتی ہے اور ہمیشہ کے لیئے اس کی میٹھی آواز کو چپ چاپ کر دیتی ہے یا اس خاوند بیوی کے رنج والم کا کون اندازہ کر سکتا ہے

جنکا رنج و راحت کا شریک گزر جائے اور جن کی زندگی کے میٹھے سے میٹھے وقفے تلخ سے تلخ وقفوں میں مبدّل ہو جائیں اور پچھلی تمام باتیں خواب و خیال ہو جائیں یا ان بچوں کے رنج اور مصیبت کا کون اندازہ کر سکتا ہے جن کے سر پر سے انکا باپ اُٹھ جائے اور جن کی خوشی ایک ایسے سرد کر دینے والے غم میں مبدّل ہو جائے کہ وہ بیچارے اُسکا اظہار تک بھی نہ کر سکیں اور ان کی صورتوں پر خود موت نوحہ کرتی ہو کیونکہ یہی ایک باپ تھا جس کی کمائی پر وہ گزارہ کرتے تھے اور اب وہ بیکسی بے بسی کیحالت میں رہ گئے ہوں مگر تاہم یہ سب کچھ دنیا میں ہوتا رہتا ہے ہر روز سورج نکلتا ہے اور اسکی شعاعیں ہزاروں نہیں لاکھوں ایسی انسانوں پر پڑتی ہیں جو اس سطح زمین پر رہتے ہیں اور انکو رنج والم نے ایک نہ ایک طرح سے ملول کیا ہوتا ہے دنیا میں انبوہ کثیر ان لوگوں کا ہے جن کے لئے ان کے ذاتی ہموم و غموم اگرچہ فی نفسہٖ وہ کیسے ہی چھوٹے کیوں نہ ہوں بہت وقعت رکھتے ہیں بہ نسبت ایک وبائے عام کے جو ان کی ذات پر اثر نہیں کرتی اگرچہ وہ مصیبت اور تباہی اور لوگوں کیلئے کسقدر خطرناک کیوں نہ ہو کوئی مہینہ ایسا نہیں گزرتا جس میں ہمیں اخباروں کے ذریعے یہ خبر نہ ملتی ہو کہ آج فلاں جگہ یہ حادثہ ہُوا۔ اور فلاں جگہ یہ مصیبت اور تباہی آئی کہیں زلزلہ ہے اور کہیں پہاڑ کی آتش فشانی ہے کسی جگہ قحط ہے اور کسی جگہ طاعون ہے کسی جگہ سیلاب آیا ہے اور کہیں کان بیٹھ گئی ہے لیکن اگر ذاتی طور سے ان خبروں کا کوئی گہرا اور نزدیکی تعلق ہمارے ساتھ نہ ہو تو سوائے ایک آنی صدمہ یا سنسناہٹ کے اور کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن اگر ہمیں یہ بتلایا جاتا ہے کہ ہماری جائداد اور مال کے کچھ حصہ کا نقصان ہو گیا ہے یا ہمارے بچوں میں سے ایک مر جائے تو اکثر ہم میں سے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اس صدمہ سے پاگل ہو جاتے ہیں اور بالکل رنج اور یاس کیحالت میں ہو جاتے ہیں یہانتک کہ بعض دفعہ خدا کو لعنت ملامت اور گالیاں دینے کیلئے بھی طیار ہو جاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم کسی مصیبت کا اندازہ اس کی عظمت اور

اہمیت کی وجہ سے نہیں لگاتے اور نہ ہی اس دکھ سے جو اس کی وجہ سے بنی نوع کو پہنچتا ہے بلکہ اگر ہمارا تعلق اس سے کچھ ہوتا ہے تب ہی ہم کچھ غم اور الم کا اظہار کرتے ہیں یقیناً ہزاروں بچے ہر روز یتیم ہو جاتے ہیں ہزاروں عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں۔ اور ہزاروں والدین بچوں سے جدا اور محروم ہو جاتے ہیں مگر ہم کبھی خدا کے رحم اور کرم کی شکایت نہیں کرتے جب تک کہ وہ مصیبت ہمارے اپنے کسی نازک حصہ جسم پر صدمہ نہیں پہنچاتی دوسرے لفظوں میں اس کے یہ معنے ہیں کہ اگر ہماری ذات سے مصیبت کا کوئی تعلق نہ ہو تو ہم دکھ کے وجود کو خدا کے رحم کے مخالف اور متضاد نہیں سمجھتے۔

اب ہم اسبات پر غور کریں کہ دنیا میں دکھوں دردوں اور مصیبتوں سے خدا تعالےٰ کے رحم محبت اور اس کی رزاقیت پر کوئی اعتراض واقع ہوتا ہے اوّل اگر ہم نظر غور سے اپنے اردگرد کی چیزوں کا ملاحظہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ دکھ کا وجود دنیا میں بہت بڑا نہیں جو شخص دنیا کے دکھ درد کو دیکھکر خدا تعالیٰ کی مہربانی اور رحم اور حکمت پر اعتراض کرتا ہے اصل میں وہ آنکھیں بند کر کے ایک فیصلہ کرتا ہے اور نظارہ عالم پر جو نعمتیں آسائشیں اور خوبصورتی کے پہلو موجود ہیں انکی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا اور نہیں دیکھتا کہ دنیا میں ہر جگہ لطف نکوئی خوبصورتی اور قدرتی انتظام و بندوبست پھیلا ہوا ہے یعنی جس جس انتظام و خوش اسلوبی کیساتھ دنیا کا کام چل رہا ہے۔ کہ آخر ہر ایک کا اچھا ہے ان باتوں کی طرف اگر وہ نظر کرے تو کبھی ایسا یکطرفہ فیصلہ نہ کرے اللہ تعالےٰ قرآن شریف کی ایک بڑی لطیف آیت میں اپنی بیشمار عنایتوں کا جو اُس نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں پر کی ہیں ذکر کرتا ہوا یوں فرماتا ہے وان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوھا یعنے اگر تم اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کو گنو تو تم ہرگز ہرگز ان کو اپنے احاطہ حساب کے اندر نہ لا سکو گے پھر آگے انسان کو جس کے خیالات تھوڑی سی تکلیف درد اور بیماری کی وجہ سے پھر جاتے ہیں ملامت کرنے کیلئے وہی آیت ان لفظوں پر ختم ہوتی ہے ان الانسان لظلوم کفار یعنے تحقیق

انسان بڑا ہی ظلم کرنیوالا اور نا انصاف اور ناشکر ہے اب سوال حل کرنے کے لیے ہمارے سامنے یہ ہے کہ دنیا میں غلبہ کس امر کا ہے خدا تعالیٰ کے رحم لطف نعمتوں اور خوبصورتی اور خوشی کا یا دکھ اور درد کا۔ یہ سچ ہے کہ جو کچھ اس دنیا میں ہے وہ کسی نہ کسی خطرہ میں پڑا ہوا ہے مگر ان خطرات کا وجود بہت ہی.... کم اصلیت کا رنگ رکھتا ہے بیشک ہر ایک انسان کے لیے ہزاروں بلائیں ہیں اور ہزاروں جسم کی بیماریاں اسکی صحت کو بگاڑ سکتی ہیں ہزاروں قسم کے دُکھ اور مُصیبتیں اسے پیش آ سکتی ہیں مگر کیا یہ خدا کا فضل اور رحم نہیں جو ان بلاؤں ان بیماریوں ان دکھوں اور مصیبتوں سے ہمیں بچاتا ہے۔

اگر انسان کی زندگی کے واقعات کا مطالعہ کیا جاوے تو ہمیں پتہ لگتا ہے۔ کہ جسقدر مواقع خوشی کے پیش آتے ہیں ان کے مقابل دُکھ اور درد کے واقعات بہت ہی تھوڑے ہوتے ہیں ایسا موقع کبھی سالہا سال کے بعد پیش آتا ہے کہ ہمیں کبھی کسی بڑے طوفان یا زلزلے یا قحط یا وبائے عام کی خبر پہنچتی ہے اور وہ بھی اس وسیع زمین کے ایک بہت تھوڑے حصّہ پر۔ اور جب کبھی یہ وبائیں نازل ہوتی ہیں تو ان کا اثر ایک بہت تھوڑے حصّہ کے اندر محدود ہوتا ہے اور باقی دنیا بغیر کسی قسم کی تکلیف کے اسی راحت میں پڑی سوتی ہے اس میں شک نہیں کہ دنیا کے ساتھ موت فوت مرض دُکھ درد لگا ہوا ہے لیکن صحت اور خوشی کا اسقدر غلبہ ہے کہ اکثر لوگ دوسری چیزوں کو بھُول جاتے ہیں اس لیے ایک تھوڑے سے دُکھ کے وجود کیوجہ سے خدا تعالیٰ کی ربوبیت اور رحمانیت پر شک و شُبہ لانا اور اعتراض کرنا بالکل لغو اور بیہودہ معلوم ہوتا ہے۔

لیکن اگر ہم اور بھی گہری نظر سے دیکھیں تو ہمیں معلوم ہو جائیگا کہ دکھ اور درد اس خطّہ زمین پر انسانی زندگی کیساتھ لازم و ملزوم پڑے ہوئے ہیں اور ان کے ہونے سے خدا کی محبت اور ربوبیّت اور رزاقیت کی شان میں کوئی اعتراض واقع نہیں ہوتا۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ اگر ان چیزوں کا وجود دنیا میں نہ ہوتا تو جو انسان

کی آج اخلاقی حالت ہے اور جلی آئی ہے وہ کبھی نہ ہوتی اخلاق کی اعلیٰ سے اعلیٰ صفات
صرف اسی وقت ظاہر ہوتی ہیں جب کہ دکھوں اور مصیبتوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر
بہادری اور صبر۔ مہربانی اور ہمدردی کے ظاہر کرنیکا موقع ہی پیش نہ آتا تو ان صفات کا دنیا
میں کبھی وجود نہ ہوتا اور اگرچہ دکھ اور درد کا وجود بعض آدمیوں کی سمجھ سے باہر ہو
اور گو اس کے حل کرنے سے انکی عقلیں عاجز آگئی ہوں مگر اس سے انکار نہیں ہو
سکتا کہ وہ صفات جنکو سب سے اعلیٰ درجے کی اخلاق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ہرگز
انسان کے اندر نشو و نما نہ پاتیں اگر دکھ اور درد کا وجود دنیا میں نہ ہوتا رحم اور ہمدردی
جو اعلیٰ اخلاق کا سرتاج ہیں کبھی عمل میں نہ لائی جاتیں اگر دنیا میں مصیبت نہ ہوتی
اور ان اعلیٰ اخلاق سے انسان بالکل عاری ہوتے چونکہ انسان خدا کی صورت
میں پیدا کیا گیا ہے اسلیئے ضروری ہے کہ وہ بھی رحم اور ہمدردی کی صفات سے متصف
ہوتا ان کے بغیر نوع انسانی کبھی کوئی ترقی نہ کرتی اور جسقدر مدنی تعلقات ہیں انکا کوئی وجود
نہ ہوتا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ انسان انسان ہی نہ ہوتا مصیبت کو دیکھکر صبر اور استقلال
کے اعلیٰ اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور یہی دو خوبیاں ہیں جن کے ذریعہ انسان اسقدر
معراج ترقی پر پہنچ گیا ہے پہلے ہمیں بیماریاں مصیبتیں رنج اور دوسری قسم کی تکالیف
جھیلنی پڑتی ہیں پھر جب انکو برداشت کرنا سیکھ جاتے ہیں تو ہمارے اندر ایک عادت
پیدا ہوجاتی ہے جسے قوت برداشت کہتے ہیں جو ہمیں اس قابل بنا دیتی ہیں کہ ہم بڑے
استقلال سے ہر ایک تکلیف کو برداشت کریں اس کے بعد ہم اس قابل ہوجاتے ہیں کہ
ہم بڑی بڑی مشکلات کا مقابلہ کرسکیں جن میں یہ ضرورت ہوتی ہے کہ ہم اپنے قواے کو
استقلال اور ان تھک طور سے لگائیں اگر دنیا میں دکھ اور مصیبت کا وجود نہ ہوتا۔ تو
استقلال اور صبر انسان میں کبھی نشو و نما نہ پاتا اور نہ ہی وہ بڑے بڑے مدعا حاصل ہوتے
جن میں کام کرنیوالے کی طرف سے استقلال کی ضرورت ہے صبر نے ہمیں سکھلایا ہے
کہ اصل کامیابی ناکامی کے اندر چھپی ہوئی ہے کیونکہ یہ ہمیں اس قابل بنا دیتا ہے
کہ جس امر میں ہم ایکدفعہ ناکامیاب ہوجائیں اس کے لیئے ہم دوبارہ نئے سرے سے۔

اور آگے سے زیادہ قوت کیساتھ کوشش کریں یہانتک کہ وہ مشکل حل ہو جائے
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کامیابی کی کلید ہے اسلیئے مصیبت اور دکھ کا
وجود خدا کی محبت اور رحم کے مخالف نہیں جبکہ یہ بات ثابت ہو چکی تو پھر یہ سوال کرنا
عبث معلوم ہوتا ہے کہ فلاں مصیبت اس طرز سے یا اس طرز سے کیوں آئی ہے
مصیبت کا بعض وقت تعلق کسی خاص فرد بشر کے ساتھ ہوتا اور بعض دفعہ تمام کنبہ
کے ساتھ اور کبھی کبھی ایک عالمگیر حادثہ کسی شہر یا صوبہ پر وارد ہو جاتا ہے جتنا جتنا اس
مصیبت کا دایرہ وسیع ہو جاتا ہے اتنا ہی تمام زمین پر رہنے والوں کے دلوں میں ہمدردی
کا احاطہ وسیع ہوتا ہے پس اگر بعض تکالیف عام طور سے اور وسیع پیمانہ پر نازل ہوتی
ہیں تو یہ نیک نتیجہ اسی سے پیدا ہوتا ہے کہ مختلف قوموں میں یگانگت اتحاد اور
ہمدردی ترقی کرتی جاتی ہے اور اسی طرح جب ہمدردی کے نظارے میں وسعت معلوم
ہونے لگتی ہے تو بنی نوع انسان کے اخلاق بھی ادنے سے اعلیٰ پر ترقی کر جاتے ہیں۔

اس اخلاقی ترقی کو جو مصائب کی وجہ سے اس دنیا میں وقوع میں آتی اور
جس کا خاص منشا بھی یہی ہوتا ہے اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں اس طرح ذکر فرماتا
ہے ولنبلونکم بشیءٍ من الخوف والجوع ونقصٍ من الاموال والانفس
والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتہم مصیبۃ قالوا انا للہ
وانا الیہ راجعون اولٰئک علیہم صلوٰت من ربہم ورحمۃ واولٰئک ہم
المھتدون ؎ اور ہم تمکو تھوڑے سے خوف سے اور بھوک سے اور مال و جان اور
پیداوار کی کمی سے آزمائیں گے یعنی تمہاری مخفی خوبیوں کا اظہار کروائینگے (اور اے پیغمبر)
صبر کرنیوالوں کو خوشنودی خدا اور کشایش کی خوشخبری سنا دو۔ یہ لوگ جب ان لوگوں پر
مصیبت آن پڑتی ہے تو بول اٹھتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اسی کی
طرف لوٹ کر جانا ہے یہی لوگ ہیں جن پر انکے پروردگار کی عنایت اور رحمت ہے
اور یہی راہ راست پر ہیں قرآن شریف کی اس آیت کے موجب خدا تعالےٰ کے
فرمانبردار بندوں کو اس دنیا میں مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تاکہ ان کی وہ اخلاقی

خوبیاں۔ یعنے استقلال اور صبر جو بیج اور جوہر کی طرح ان کے اندر مخفی ہوتی ہیں۔ اور جن کی پیدائش اور نشوونما کیلئے ایک خاص زمین اور خاص وقت مقرر ہوتا ہے ظاہر ہوں اور اس طرح سے یہ لوگ بار بار کی کوششوں سے اس قابل ہوجاتے ہیں کہ وہ ان مشکلات پر غالب آجادیں لفظ لنبلونکم ہو سے نکلا ہے جس کے معنے ظاہر کرنے اور انعام دینے کے بھی ہیں اس کے عام معنے آزمایش کرنے یا ثابت کرنے کے ہیں جس سے اِسبات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ انسان کے اندر جو مخفی خوبیاں ہیں انکو ظاہر کیا جاوے جس طرح مخالف طاقتوں اور جذبات کا مقابلہ کرتے وقت انسانی روح کے پوشیدہ خواص ظاہر ہوجاتے ہیں اسی طرح قرآن شریف کی رو سے مصیبتیں روح کے اعلیٰ خواص کے نشوونما پانے اور پھیلانیکے لیئے گویا ایک پودگھر یا پرورش پانیکی جگہ ہے ہمارے اخلاق کبھی ٹھیک طور پر قایم ہی نہیں ہوتے جب تک مصیبتوں اور آزمائیشوں کے ذریعے ان کو پرکھ نہ لیا جائے اور ان چیزونکا تعلق ہمارے اخلاق کیساتھ ایسا ہی ہے جیسا کہ علم کیساتھ عمل اور استعمال کا جسطرح علم بغیر عمل کے مفید نہیں اسی طرح ہماری اخلاق کچھ بھی چیز نہیں جبتک وہ دکھوں اور تکلیفون کے مقابلہ مین کامیاب نہ ہوں یہ تو ان اعتراضات کا جواب ہے جو خدا تعالےٰ کی ربوبیّت اور رحمانیت کے خلاف دنیا مین دُکھ اور درد کی موجودگی کی بنا پر کیئے جاتے ہیں اور اس مضمون پر جو عنوان مین تجویز کیا گیا ہے کچھ لکھنے سے پہلے ان اعتراضات کا مختصر سا جواب دینا ضروری تھا اس آرٹیکل کی سرخی مین نے زلزلہ کے نام سے شروع کی ہے مگر میرا مطلب اس سے صرف زلزلہ ہی نہین بلکہ اس سے میری مراد ہر ایک ایسی مصیبت ہے جو کہ بنی نوع انسان پر اچانک ایک خطرناک اور مہیب شکل مین وارد ہو سکتی ہے اب اصل سوال ہمارے سامنے یہ ہے کہ کیا دعا مین یہ تاثیر ہے کہ ہمیں مشکلات اور خطرناک حادثات سے مخلصی دے سکے یا آنیوالے خطرات سے ہمیں محفوظ رکھ سکے جن لوگونکا خیال ہے کہ ہم علم مادیات مین بہت ترقی کر چکے ہین وہ زلزلے کے ساتھ

دعا کا لفظ دیکھکر ہنسینگے انہی مین بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو دعا کو دنیا کی روزمرہ کی بیماریوں اور مصیبتون کیلیے شفا سمجھتے ہیں مگر وہ اس امر سے منکر ہیں کہ ایسی بڑی مصیبتون مین مثلاً سیلاب کا آنا وبا کا پڑنا یا زلزلہ کا آنا یا آتش فشاں پہاڑ کا پھٹنا ایسے معاملات میں وہ دعا کو محض بے سود سمجھتے ہیں خدا تعالیٰ کی ربوبیّت اور رحمانیّت پر بحث کرتے ہوئے ہم بتلا چکے ہیں کہ ایسی بحثوں کے وقت جب ہم خدا تعالیٰ کے انسان کیساتھ تعلقات کا ذکر کرتے ہیں ہمیں ان مصیبتوں کے چھوٹا بڑا ہونے میں کوئی تمیز نہیں کرنی چاہیئے خواہ وہ مصیبت چند آدمیوں پر نازل ہو خواہ بہت پر اگر ایک فرد بشر یا ایک کنبہ کی بلا دعا کے ذریعہ سے ٹل سکتی ہے تو پھر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ کیون ایک صوبہ یا قوم کی بلا دعا کے ذریعہ نہ ٹل سکے لیکن مین اس سوال کا جواب کہ دعا سے بلا اور مصیبت ٹلسکتی ہے عام طور پر دینا چاہتا ہوں اور تاریخی پہلو سے اسپر بحث کرونگا :

اگر اب تک دعا نے بنی نوع انسان کی کسی مشکل کو حل نہین کیا تو پھر تو یہ ایک بیفائدہ چیز ہے اس کو قطعی طور پر چھوڑ دینا چاہیئے لیکن اگر گذشتہ تاریخ سے یہ پتہ لگے کہ دعا نے دنیا کو بہت فائدہ پہنچایا ہے تو پھر ہمیں بالکل مطمئن رہنا چاہئیے کہ اب بھی یہ وہی فائدہ پہنچا سکتی ہے دعا کا اصل مفہوم سمجھنے کے لیئے یہ مفید ہوگا کہ مین یہان ایک ایسے شخص کی گواہی پیش کروں جو کہ روحانیت میں ایک اعلیٰ درجہ کا شخص مانا گیا ہے مرحوم حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ فرقہ احمدیّہ نے طاعون کے اس ملک مین نمودار ہونے پر ایک رسالہ لکھا جس میں آپنے اس بیماری کے لیئے بعض علاج لکھے مگر آپنے اسبات پر بہت زور دیا کہ لوگ اپنے گناہون سے توبہ کریں اور خدا سے دعا مانگیں اس تحریر پر لوگوں نے اُسی قسم کے اعتراضات کیئے تھے جن پر کہ ہم اس آرٹیکل مین بحث کر رہے ہین ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے آپ 'ایام الصلح' مین یوں رقمطراز ہوتے ہیں۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض صاحبون کے دلوں مین میرے اس اشتہار کے پڑھنے

سے یہ ایک اعتراض پیدا ہوا ہے کہ لوگوں کو اوّل یہ بتانا کہ اس مرض کے استیصال کے لیئے فلان تدبیر یا دوا ہے اور پھر یہ کہنا کہ شامت اعمال سے یہ مرض پھیلتی ہے ان دونوں باتوں میں تناقض ہے اور تعجب کہ اس اعتراض کے کرنیوالے بعض مسلمان ہی ہین سو ایسے سب صاحبوں کو واضح رہے کہ قانونِ قدرت اور صحیفہ فطرت پر نظر ڈالنے سے ان تمام اوہام کا بڑی صفائی سے جواب ملتا ہے خدا کا قانون قدرت جو ہماری نظر کے سامنے ہے ہمیں بتلا رہا ہے کہ سلسلہ تدابیر اور معالجات کا طلب اور استدعا سے وابستہ ہے یعنے جب ہم فکر کے ذریعہ سے یا کسی اور طریق جستجو کے ذریعہ سے کسی تدبیر اور علاج کو طلب کرتے ہیں یا اگر ہم طلب کرنے میں احسن طریق کا ملکہ نہ رکھتے ہوں یا اگر اس میں کامل نہ ہوں تو مثلاً اس غور اور فکر کے لیئے کسی ڈاکٹر کو منتخب کرتے ہیں اور وہ ہمارے لیئے اپنی فکر اور غور کے وسیلہ سے کوئی احسن طریق ہماری شفا کا سوچتا ہے تب اسکو قانون قدرت کی حد کے اندر کوئی طریق سوجھ جاتا ہے جو کسی درجہ تک ہمارے لیئے مفید ہوتا ہے سو وہ طریق جو ذہن میں آتا ہے وہ درحقیقت اُس خوض اور غور اور فکر اور توجہ کا نتیجہ ہوتا ہے جسکو ہم دوسرے لفظوں میں دعا کہہ سکتے ہیں کیونکہ فکر اور غور کے وقت جب کہ ہم ایک مخفی امر کی تلاش میں نہایت عمیق دریا میں اتر کر ہاتھ پیر مارتے ہیں تو ہم ایسی حالت میں بزبان حال اُس اعلیٰ طاقت سے فیض طلب کرتے ہیں جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

غرض جبکہ ہماری روح ایک چیز کے طلب کرنے میں بڑی سرگرمی اور سوز و گداز کے ساتھ مبدء فیض کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور اپنے تئیں عاجز پا کر فکر کے ذریعہ سے کسی اور جگہ سے روشنی ڈھونڈتی ہے تو درحقیقت ہماری وہ حالت بھی دعا کی ایک حالت ہوتی ہے اِسی دعا کے ذریعہ سے دنیا کی کل حکمتیں ظاہر ہوئی ہیں اور ہر ایک بیت العلم کی کنجی دعا ہی ہے اور کوئی علم اور معرفت کا دقیقہ نہیں جو بغیر اسکے ظہور میں آیا ہو ہمارا سوچنا اور ہمارا فکر کرنا اور ہمارا طلب امر مخفی کے لیئے خیال کو دوڑانا یہ سب امور دعا ہی میں داخل ہیں صرف فرق یہ ہے کہ عارفوں کی دعا آداب

معرفت کیساتھ وابستہ ہوتی ہے اور انکی روح مبدء فیض کو شناخت کرکے بصیرت کے ساتھ اُسکی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور مجوبوں کی دعا صرف ایک سرگردانی ہے جو فکر اور غور اور طلب اسباب کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے وہ لوگ جن کو خدا تعالےٰ سے ربط معرفت نہیں اور نہ اسپر یقین ہے وہ بھی فکر اور غور کے وسیلہ سے یہی چاہتے ہیں کہ غیب سے کوئی کامیابی کی بات انکے دل میں پڑجائے اور ایک عارف دعا کرنے والا بھی اپنے خدا سے یہی چاہتا ہے کہ کامیابی کی راہ اُسپر کھلے لیکن مجوب جو خدا تعالےٰ سے ربط نہیں رکھتا وہ مبدء فیض کو نہیں جانتا اور عارف کی طرح اُس کی طبیعت بھی سرگردانی کیوقت ایک اور جگہ سے مدد چاہتی ہے اور اسی مدد کے پانے کے لئے وہ فکر کرتا ہے مگر عارف اس مبدء کو دیکھتا ہے اور یہ تاریکی میں چلتا ہے اور نہیں جانتا کہ جو کچھ فکر اور خوض کے بعد بھی دلمیں پڑتا ہے وہ بھی خدا تعالےٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور خدا تعالےٰ متفکر کے فکر کو بطور دعا قرار دیکر بطور قبول دعا اس علم کو فکر کرنیوالے کے دل میں ڈالتا ہے غرض جو حکمت اور معرفت کا نکتہ فکر کے ذریعہ سے دل میں پڑتا ہے وہ بھی خدا سے ہی آتا ہے اور فکر کرنیوالا اگرچہ نہ سمجھے مگر خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ مجھ سے ہی مانگ رہا ہے سو آخر وہ خدا سے اس مطلب کو پاتا ہے اور جیسا کہ مَیں نے ابھی بیان کیا ہے یہ طریق طلب روشنی اگر علیٰ وجہ البصیرت اور ہادیٔ حقیقی کی شناخت کیساتھ ہو تو یہ عارفانہ دُعا ہے اور اگر صرف فکر اور خوض کے ذریعہ سے یہ روشنی لاعلوم مبدء سے طلب کیجائے اور منورِ حقیقی کی ذات پر کامل نظر نہ ہو تو وہ مجوبانہ دعا ہے۔

اب اس تحقیق سے تو یہی ثابت ہُوا کہ تدبیر کے پیدا ہونے سے پہلا مرتبہ دعا کا ہی جسکو قانون قدرت نے ہر ایک بشر کے لیئے ایک امر لابدی اور ضروری ٹھہرا رکھا ہے اور ہر ایک طالب مقصود کو طبعًا اس پُل پر سے گزرنا پڑتا ہے پھر جائے شرم ہے کہ کوئی ایسا خیال کرے کہ دعا اور تدبیرین کوئی تناقض ہے دعا کرنیسے کیا مطلب تو ہے یہی تو ہوتا ہے کہ وہ عالم الغیب جسکو دقیق در دقیق تدبیرین معلوم ہیں کوئی احسن

تدبیر دل میں ڈالے یا بوجہ خالقیت اور قدرت اپنی طرف سے پیدا کرے پھر دعا اور تدابیر میں تناقض کیونکر ہوا؟

علاوہ اس کے جیسا کہ تدابیر اور دعا کا باہمی رشتہ قانون قدرت کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے ایسا ہی صحیفہ فطرت کی گواہی سے بھی یہی ثبوت ملتا ہے جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ انسانی طبایع کسی مصیبت کیوقت جسطرح تدبیر اور علاج کی طرف مشغول ہوتی ہیں ایسا ہی طبعی جوش سے دعا اور صدقہ اور خیرات کی طرف جھک جاتی ہیں اگر دنیا کی تمام قوموں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کسی قوم کا کانشنس اس متفق علیہ مسئلہ کے برخلاف ظاہر نہیں ہوا پس یہی ایک روحانی دلیل اس بات پر ہے کہ انسان کی شریعت باطنی نے بھی قدیم سے تمام قوموں کو یہی فتوے دیا ہے کہ وہ دعا کو اسباب اور تدابیر سے الگ نہ کریں بلکہ دعا کے ذریعہ سے تدابیر کو تلاش کریں غرض دعا اور تدبیر انسانی طبیعت کے دو طبعی تقاضے ہیں کہ جو قدیم سے اور جبسے کہ انسان پیدا ہوا ہے دو حقیقی بھائیوں کی طرح انسانی فطرت کے خادم چلے آئے ہیں اور تدبیر دعا کے لئے بطور نتیجہ ضروریہ کے اور دعا تدبیر کے لئے بطور محرک اور جاذب کے ہے اور انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ تدبیر کرنے سے پہلے دعا کے ساتھ مبدء فیض سے مدد طلب کرے تا اس چشمہ لازوال سے روشنی پا کر عمدہ تدبیریں میسّر آسکیں ؎

چونکہ ہم نے دعا کی اصل ماہیت کو سمجھ لیا ہے اسلئے اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئیے کہ دکھ کیا شے ہے بعض دفعہ وہی چیزیں جن پر ہماری زندگی کا دارومدار ہے ہمارے لئے دکھ کا موجب ہوجاتی ہیں یا یوں کہئے کہ خود شامت اعمال کیوجہ سے انہیں چیزوں کو ہم اپنے لئے دکھ کا موجب بنا لیتے ہیں اللہ تعالے نے اس دنیا کے قانون اس طرز سے بنائے ہیں کہ ہم چاہیں تو انکو بری طرح استعمال کریں اور نقصان اٹھاویں یا اچھی طرح استعمال کرکے فائدہ اٹھائیں دوسرے لفظوں میں انسان کو اس قدر طاقتیں اور قوتیں عنایت کی گئی ہیں کہ وہ مخالف طاقتوں کا مقابلہ کر سکتا ہے اور انپر

فتحیاب ہو سکتا ہے قرآن شریف فرماتا ہے اللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض وانزل من السماء ماءً فاخرج بہ من الثمرٰت رزقا لکم وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہٖ وسخر لکم الانھار وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم اللیل والنھار وآتاکم من کل ما سألتموہ (ترجمہ) خدا وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور وہ بادلوں سے پانی اتارتا ہے اور اس پانی کے ذریعہ وہ پھلوں کو نکالتا ہے اور اس نے جہازوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ وہ اس کے حکم کیساتھ سمندروں میں چلیں اور اس نے ایک دوسرے کے پیچھے آنیوالے شمس و قمر کو تمہارے لیئے مسخر کر دیا اور جو بھی چیزیں تم خدا سے مانگتے ہو وہ تمہیں دیتا ہے۔

اس آیت میں ہمیں بتلایا گیا ہے کہ مختلف قسم کی چیزیں انسان کے لیئے اللہ تعالیٰ نے مسخر کر دی ہیں یعنے اس مادی دنیا میں جس قدر قوتیں کام کر رہی ہیں وہ ایسے طور سے نہیں بنائی گئیں کہ انسان انپر غلبہ نہ پا سکے اور اس آیت کے آخری لفظوں میں یہ بتلایا گیا ہے کہ انسان کو اس مادی دنیا پر اس قدر فتح عطا کی جاتی ہے جسقدر کا وہ طالب ہوتا ہے اسطرح سے اللہ تعالےٰ نے اپنے دو قانون انسان کی ہدایت اور حفاظت کے لیئے پیش کر دیئے ہیں ایک تو یہ کہ اس مادی دنیا میں جسقدر قوتیں کام کر رہی ہیں ان سب پر انسان فتح پا سکتا ہے اور دوسری یہ کہ اس فتح کے حاصل کرنیکے لیئے اسے دعا کرنی چاہیئے جس کے معنے یہ ہیں کہ حتی الامکان اسے کوشش کرنی چاہیئے اور ان انعامات کو خدا سے مانگنا چاہیئے دوسری جگہ قرآن شریف میں آیا ہے اللہ الذی سخر لکم البحر لتجری الفلک فیہ بامرہٖ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون وسخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعاً منہ ان فی ذالک لآیٰت لقوم یتفکرون (الجاثیہ)

ترجمہ۔ اللہ وہ قادر مطلق ہے جس نے سمندر کو تمہارے بس میں کر دیا ہے۔ تاکہ خدا کے حکم سے اس میں جہاز چلیں اور تاکہ تم لوگ اس کے فضل کو تلاش کرو۔ اور

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسی نے اپنے کرم سے ان سبکو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے بے شک اس میں اللہ تعالےٰ کے آیات ہیں اس قوم کے لیئے جو سوچ اور سمجھ سے کام لیتی ہے (سورہ جاثیہ آیت ۱۱-۱۲) اس آیت میں بھی اگرچہ یہ بتلایا گیا ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ سب اس طور سے بنایا گیا ہے کہ انسان انکو اپنے مطلب کے موافق کام میں لاسکتا ہے تو بھی یہ انسان پر لازمی کر دیا گیا ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کے انعامات کو تلاش کرے اور ان کے حصول کے لیئے کوشش کرے خدا تعالےٰ نے یہ قوت انسان کے اندر رکھ دی ہے اور قانون فطرت اور قدرت اس طرح سے بنائے گئے ہیں کہ وہ انسان کے اقتدار کے سامنے سربسجود ہونیکو طیار ہیں اگر وہ ذرا بھی کوشش کرے تو وہ سب اس کے مطیع و منقاد ہو سکتے ہیں۔ اس طرح ہم رنج کو مبدل بہ راحت اور برائی کو نیکی میں تبدیل کر سکتے ہیں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ زمین و آسمان اور بر و بحر پر انسان کو اقتدار دیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی اس کے وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ اس اقتدار کو حاصل کرنے کیلیئے ہمیں حتی الوسع اور حتی الامکان ضرور کوشش کرنی چاہیئے؛

اب اگر ہم تاریخ دنیا کیطرف نظر کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ بہت سی راحتیں ہیں۔ جو ہمیں میسر ہیں مگر ہمارے آباو اجداد کے خواب و خیال میں بھی نہ تھیں اس میں کوئی شک نہیں کہ جسقدر تکالیف ہمیں قانون سماوی و ارضی کیوجہ سے پہنچتی ہیں ان سے کہیں بڑھکر ہمارے آبا و اجداد کو پہنچتی رہی ہیں جب کوئی دکھ انسان پر وارد ہوا تو اس نے یہی بتلایا کہ خدا سے دعا کرنی چاہیئے اور اس سے پناہ مانگنی چاہیئے تاکہ اللہ تعالےٰ اسے دور ہی رکھے آہستہ آہستہ اسی دعا کیوجہ سے اور اللہ تعالےٰ کی ہدایت کے ذریعہ انسان اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ وہ اس ظاہری دنیا کو فتح کر سکتا ہے اور اسکی طاقتوں اور قوتوں کو اپنے مفید مطلب بنا سکے اور اپنے فائدے کے لیئے استعمال کر سکے یہ سب عجائبات قدرت اسی دعا کا نتیجہ ہیں جسکا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں؛

جب ہم گذشتہ دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں تعجب آتا ہے کہ اسقدر

عظیم الشان فتح انسان کو کس طرح حاصل ہو گئی ہیں زلزلہ کے بالمقابل یا طاعون قحط اور وبا کے بالمقابل دعا استعمال کرنے پر ہنسنا محض . . . . حماقت ہے. جیسا جیسا ہماری غرض اور ہمارا مدعا جسکو ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں بڑا ہوتا جائیگا۔ اسی قدر اس کے حصول کیلیئے وقت اور ہمت اور کوشش زیادہ بکار ہوگی ان یوماً عند ربک کالف سنۃ مما تعدون یعنے خداتعالے کا ایکدن بندوں کے ہزار سال کے برابر ہوتا ہے جتنے ہزار سال اس انسان کی زندگی پر گزر رہے ہیں وہ خدا کے نزدیک اتنے دنوں کے برابر ہیں؛

دعا کے ذریعہ نہ صرف انسان اپنے فائدے کے لیئے اس مادی دنیا کو فتح کر سکتا ہے بلکہ اس سے بڑھکر بھی وہ فائدہ اٹھا سکتا ہے نوع انسان کی جہالت بھی آہستہ آہستہ رفع ہوگی اور خواہ کتنی ہی وہ فتوحات کرتا چلا جائے اور اس کے علم کا دائرہ خواہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہوتا جائے بہت کچھ اس کے احاطۂ علم اور احاطۂ اقتدار سے باہر رہیگا ہمہ علم انسان کبھی نہیں ہوسکتا اور جو کچھ تھوڑا بہت علم اُسے حاصل ہوگا وہ آہستہ آہستہ اور تدریجاً ہوگا علاوہ ازین بہت سا دُکھ اور رنج جس مین انسان مبتلا ہے وہ اس کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے ظلم تعدی لوٹ بے رحمی اور قتل بھی تو آخر انسان ہی کرتا ہے اس ورلی دنیا مین ایسے آدمی بھی موجود ہین کہ وہ جرم کے ارتکاب سے کبھی باز نہ آدینگے باوجودیکہ ان کی آنکھوں کے سامنے دل پگھلا دینے والا منظر موجود کیوں نہ ہو پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہم اس دنیا کے فتح کرنے کے لیئے بالکل ناتجربہ کار ہیں اور ہر ایک ہمارا نیا تجربہ اپنے ساتھ نئے نئے مشکلات لے آتا ہے ان حالات کے ماتحت ہم ایک نہ ایک طرح ان مشکلات کا شکار ضرور رہینگے اسلیئے ہمیں چاہیئے کہ ہم ان مشکلات کے سہنے اور برداشت کرنے کو سیکھیں کیونکہ اس کرۂ ارض پر انسانی زندگی کے لیئے یہ لازم وملزوم کی طرح ہیں ان سب کے علاوہ دل اور روح کی بھی ایک تکلیف ہے جس کا روزمرہ کی آسائیشوں کیساتھ کوئی تعلق نہیں اس قسم کے تمام دکھوں اور دردون کے لیئے صرف دعا ہی ایک علاج ہے؛

پس وہ شخص جو اپنے دکھ اور درد کیوقت اپنے خدا کا وسیلہ ڈھونڈتا ہے اور اپنی مشکلات اور دقتوں کا حل صرف خدا سے ہی چاہتا ہے ایسے شخص کو سچی راحت قلب اور سچی خوشی عطا کیجاتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ دعا اپنے تمام لوازمات کیساتھ ہو پس خواہ اس کو اپنا مدعا فوراً حاصل نہ بھی ہو (کیونکہ اس مین شک نہیں کہ بہت سے اعلیٰ مقاصد ہیں جو ہزاروں آدمیوں کی مجموعی دعاؤنکو جو سینکڑون نہیں ہزارون سال کی دعائیں چاہتے ہیں) تاہم اسکو دعا کے ذریعہ دلی راحت اطمینان قلب اور حضوری دل عطا کیجاتی ہے اور وہ خدا تعالےٰ سے محرومیت نہیں پاتا اور نہ ہی وہ خدا تعالےٰ سے رنجیدہ ہوتا ہے دعا کا اصلی مقصد سچی خوشی اور اطمینان قلب ہے یہ کہنا کہ ہماری خوشی اُس مقصد کے حاصل ہونیکے ساتھ وابستہ ہے جس کے لیئے ہم دعا کرتے ہیں ٹھیک نہیں پس وہ شخص جو صفائی باطن اور حضوری دل کیساتھ دعا کرتا ہے وہ کبھی محروم نہین رہتا اور نہ ہی اُسے کبھی غم پہنچتا ہے اور اسی مین ہماری حقیقی خوشی موجود ہے وہ اعلےٰ درجہ کی خوشی جو نہ دولت اور مال وجاہ اور نہ سلطنت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی وہ صحت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اور جو بالکل اللہ تعالیٰ کے اختیار مین ہے وہ روحانی بہشت سچی اور حقیقی دعا کے بعد حاصل ہوتا ہے بڑی سے بڑی مصیبت کیوقت خدا کا سچا فرمانبردار دعا کرنیکے بعد ایک ایسے خوشی کے مقام مین ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑا بادشاہ اپنے اوج سلطنت و اقتدار کیوقت ایسی خوشی حاصل نہیں کر سکتا پس وہ شخص جسے یہ راحت اور خوشی میسر آجائے وہ بامراد ہو گیا اور اس کے رنج اور تفکرات مبدل بہ راحت ہو جاتے ہیں۔ یہی تعلق دعا اور مصائب کا ہے اور اس سے معلوم ہو گا کہ واقعی دعا سے ہر ایک قسم کے مصائب رفع ہو سکتے ہیں اور ہر وقت اور ہر حالت مین اگر انسان سچی خوشحالی چاہتا ہے تو وہ دعا کے ذریعہ سے ہی حاصل ہو سکتی ہے؛

اشاعتِ اِسلام

بعض عیسائی مشنریوں نے اسلام کے متعلق بہت سے جھوٹے الزام پھیلائے ہیں ان جھوٹے الزامات مین سے ایک یہ بھی ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ عیسائی مصنفوں نے بھی بار بار اس کی نصر سے تردید کی ہے لیکن جب عیسائی مشنری ایسا لکھدیتے ہیں تو کوئی دلیل ایسی نہیں جو انکو یقین دلاسکے کہ انکا اعتراض بیہودہ اور لغو محض ہے اور وہ اسکو واپس لے سکتے مسیحی واعظین کے اس اصرار کیوجہ معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے یہ انکا اپنی غلطی پر ہٹ کرنا انکے اغراض مین داخل ہے کیونکہ انکے الزامات انصاف پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ جس چیز اور جس بات کو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ انکے کام مین مددگی اسکو بغیر سوچے سمجھے اور بغیر کسی تنقید کے لے لیتے ہین انکا اصلی کام عیسائیت کا وعظ کرنا ہے لیکن وہ اسباب اور سامان جو وہ اپنی اس غرض کو پورا کرنیکے لیئے استعمال کرسکتے ہین بہت ہی تھوڑے اور قلیل ہیں مذہب عیسائی میں قابل وعظ باتین بہت ہی کم ہیں وہ انسانون سے یسوع کی خدائی منوانا چاہتے ہیں لیکن دنیا مین انسانی خداؤن کا ذخیرہ آگے ہی بہت ہے اور اب دنیا کا یہ میلان بالکل نہیں رہا کہ وہ اس روشنی کے زمانہ کے آخری درجہ مین بھی خداؤن کی فہرست مین ایک اور خدا داخل کردے سچ تو یہ ہے کہ عیسائیت مین صداقت بہت ہی کم ہے بلکہ ہے ہی نہیں عیسائی مشنری کا مذہب صرف اتنے مقولہ مین آجاتا ہے کہ یسوع خدا تھا جو صلیب پر مرگیا تا کہ وہ ان لوگون کے لیئے جو اسپر ایمان لائیں کفارہ ہو پس اسطرح اسکے وعظ کا دائرہ بہت ہی تنگ ہے لابد ہے کہ اسکے مشغول رکھنے کے لیئے کوئی چیز ہو پس جب کہ اسکے اپنے مذہب مین کوئی خوبی کی بات نہین ہے جسکو وہ دوسروں کے سامنے پیش کرسکے تو وہ اپنا وقت دوسرے مذاہب

کی عیب جوئی مین صرف کرتا ہے گویا کہ وہ سمجھتا ہے کہ دوسرے مذہب کی عیب جوئی ہی عیسائیت کی صداقت قایم کرنیکے لیئے بہت کافی ہے؛

اسلام سے مشنریوں کو خاص کینہ ہے کیونکہ وہ اسلام کو اپنا بڑا دشمن سمجھتے ہیں دوسرے مذاہب میں انکو اعتراض کرنیکے لیئے کافی سامان ملسکتا ہے کیونکہ ان کے عقایٔد مین بہت سی ایسی باتیں پائی جاتی ہین جوکہ اعتراضات کا مورد بن سکتی ہیں لیکن اسلام کی اعلیٰ صداقتیں اور اسکے عقاید حقہ عیسائی مشنری کی آنکھوں کو اپنی روشنی اور ضیا کیساتھ چُندھیا دیتے ہیں وہ اصول ایسے قابل تعریف ہیں کہ ایک عیسائی مشنری کو بھی (جو دوسروں کی غلطیوں کے معلوم کرنے میں بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے کام لیتا ہے) کوئی موقع نہیں ملتا کہ وہ ان کے برخلاف ایک لفظ ہی مُنہ سے نکال سکے پس جب وہ دیکھتا ہے کہ وہ اسلام کے اصول حقہ پر اعتراض کرنیکے قابل بالکل نہیں ہے تو وہ اعتراض کرنے کی اور راہ اختیار کرتا ہے چونکہ مذہب اسلام کے عقایٔد حقہ انسانی عقل اور رزانت کے برخلاف نہیں ہیں اور ان میں کوئی بات ایسی نہیں ہے کہ جن پر عقل انسانی اعتراض کرسکے تو وہ یہ ظاہر کرنیکی کوشش تو نہیں کرتا کہ اسلامی تعلیم عقل کے برخلاف ہے بلکہ یہ ظاہر کرنیکی کوشش کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات یہود اور نصاریٰ سے لی ہیں اور اسلیئے اسلام ایسی پاک اور اعلیٰ تعلیم کے شایع کرنیکا حق نہیں لے سکتا وہ ان تعلیمات کو جو قرآن مجید مین مندرج ہیں عیسائیت اور یہودیت کے چشموں سے نکلی ہوئی بتاتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ ایسا کرنے سے اس نے قرآن شریف کے الہامی ہونیکے دعوے پر سخت حربہ چلایا ہے گویا کہ اسکے نزدیک الہامی کتاب ہونیکا معیار محض نئی بات کا پیش کرنا ہے اسکی نگاہ میں قرآن شریف صرف اسوقت الہامی کتاب ہوسکتا تھا اگر وہ نجات کی کوئی ایسی خود تراشیدہ تجویز پیش کرتا جیسی کہ عیسائیت نے پیش کی ہے چونکہ قرآن شریف نجات کے لیئے پہلے نبیوں سے کوئی نئی راہ نہین بتلاتا جیسا کہ قرآن مجید کے نزدیک نجات کسی انسانی خدا کی قربانی پر موقوف نہیں ہے

اس پیپے قرآن شریف۔ مسیحی واعظ کے رائے مین خدا کا کلام نہین ہوسکتا یہ بات کہ قرآن شریف کی تعلیمات انبیائے سابقین کی تعلیمات کے عین مطابق ہیں عیسائی مشنری کے نزدیک اسکے جعلی ہونیکا ایک کافی ثبوت ہے لیکن اسکو یہ سمجھ نہیں آتی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور انبیائے سابقین کی تعلیمات کو بالکل مشابہ ثابت کرنے سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی اپنی بیخبری مین شہادت دیے جاتا ہے اسجگہ میری یہ غرض نہیں ہے کہ مین بتاؤن کہ خود قرآن شریف اپنے الہامی ہونے کی بڑی عظیم الشان اور لاجواب شہادت پیش کرتا ہے اور یہ کہ اسکی تعلیمات اپنے حسن وخوبی میں ان تمام تعلیمات کو جو کسی انسان کو دیگئی ہوں بہت بڑھی ہوئی ہین اس سے میرا مدعا یہ ہے کہ میں ناظرین کی توجہ کو اسطرف مبذول کروں کہ مسیحی مشنری کی حاسد آنکھ کو بھی اتنا موقع نہیں ملتا کہ وہ قرآن شریف کی پاک اور مدلل تعلیمات میں نقص نکال سکے اور صرف انبیائے سابقین کی تعلیمات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں مشابہت ثابت کرنے اور اس الزام کے لگانیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانے کے یہود اور نصاریٰ کی تعلیمات سے اپنی تمام مقدس تعلیمات کو اخذ کیا تھا مسیحی مشنری اسلامی صداقت پر ایک بالواسطہ شہادت قایم کرتا ہے حالانکہ یہود اور نصاریٰ کے اسلام قبول کرنے کی صرف یہ وجہ بیان کیجاتی ہے کہ انکی اعتقادی حالت خراب ہوگئی تھی اور وہ بالکل بگڑ گئے تھے اسلیئے انہوں نے اسلام کی سنہری تعلیم کو قبول کرلیا۔ جب انکی اپنی حالت بگڑی ہوئی تھی تو پھر وہ لوگ کس طرح اسلام کی پاک تعلیم کا سرچشمہ کہلا سکتے ہیں اور کیوں روم اور شام کے عیسائیوں نے اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام کو قبول کرلیا جبکہ وہ خوب جانتے تھے کہ یہ تمام تعلیمات مسروقہ ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) لیکن انصاف پسند عیسائی مصنفین نے کھلے الفاظ میں اس بات کی شہادت دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم عین عقل اور انسانی فطرت کے مطابق ہے کچھ عرصہ گزرا ہے کہ سول اینڈ ملٹری گزٹ کے لائق عیسائی ایڈیٹر نے لکھا کہ یہ غالباً ناممکن بات تھی

کہ انگریزی تعلیم ایک ہندو کے مذہبی خیالات میں تغیر و تبدل پیدا نہ کرے۔ لیکن ایک مسلمان ایسی لامذہبی کیحالت میں ہرگز مبتلا نہیں ہو سکتا یعنے ایک مسلمان پر یوروپین اور انگریزی تعلیم کی وجہ سے اپنے اسلامی عقایدمیں متزلزل نہیں ہو سکتا ایک سائینسدان کے نزدیک بھی اسلام کے قبول کرنے میں کوئی عقلی مشکلات نہیں ہیں اور انگریزی دان طالبعلموں میں اسلامی فرایض کی عدم پابندی ایک دنیاوی کالج کی زہریلی ہوا کی وجہ سے ہے اور یہ عدم پابندی اسلیئے نہیں ہے کہ سائینس اور مسلمان طالب علم کے مذہبی عقایدمیں کوئی تعارض ہے اس کی شہادت اس طرح پر ملسکتی ہے کہ ایک ہندوستان کے کالج کے مسلمان طلبار کی کثیر التعداد پر بداعتقادی کا زمانہ نہیں آتا جو کہ بہت سے انگلینڈ کے کالجوں کے طالبعلموں کو تجربہ کرنا پڑتا ہے انگریزی خواں مسلمان صرف مذہب کی طرف سے بے توجہ ہو جاتے ہیں دوسرے معاملات میں جیسے پالیٹکس تمدنی اصلاح یا ترقی قوم ان کی نگاہ میں بڑی اہمیت حاصل کر لیتے ہیں اور مذہب کی طرف انکی توجہ کم ہو جاتی ہے"۔ اسطرح اس عالم مصنف کے نزدیک جو اپنے تئیں عیسائی مذہب کا پیرو تسلیم کرتا ہے دنیا کے تین بڑے مذاہب یعنے عیسائیت ہندومت اور اسلام میں سے صرف موخرالذکر ہی ایک ایسا مذہب ثابت ہوا ہے جو کہ ایک سائینس دان کے لیئے بھی کوئی عقلی مشکلات پیش نہیں کرتا اس لائق مضمون نگار کی رائے میں ایک ہندو پر مغربی تعلیم کا بداثر لابد تھا یعنی یہ ضروری تھا کہ ایک ہندو کے عقاید پر مغربی سائینس حملہ کرتی اور اسکے مذہب کی بنیاد کو کھوکھلی کر دیتی لائق مضمون نویس اس بداعتقادی اور دہریت کی کشمکش کے زمانہ کیطرف بھی اشارہ کرتا ہے جس میں بہت سے عیسائی طالبعلم انگلستان کے کالجوں میں مبتلا ہوتے ہیں مگر وہ ساتھ یہ بھی بتاتا ہے کہ ہندوستان کے کالجوں میں مسلمان طلبار اس وبا سے محفوظ رہتے ہیں اسکا سبب اظہر من الشمس ہے یہ اسلیئے ہے کہ عیسائی مذہب کے اصول سائینس کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے

جو کہ ایک سائنس دان کو بھی مجبور کرتا ہے کہ وہ اسکی تعلیم کے معقول ہونیکا اقرار کرے۔
اور اس سے انکار نہ کر سکے حالانکہ سائنس اور علوم خفیہ ہندومت یا عیسائی مذہب کے
پیرؤوں کا اعتقاد اور ایمان تزلزل میں ڈال دیتے ہیں ایک دنیاوی اخبار کے ایک
عالم عیسائی ایڈیٹر کی یہ رائے جو اپنے مذہب کے خلاف اسلام کے حق میں ظاہر کرتا ہے
اور اپنا فیصلہ کن عندیہ بتاتا ہے بالکل انصاف اور حق پرستی پر مبنی سمجھنی چاہیئے کیونکہ
سچی فضیلت وہی ہوتی ہے ما شھدت بہ الاعداء یعنے جس کی دشمن بھی گواہی
دیں اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ نہ صرف عیسائی مشنری آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی تعلیم کو گزشتہ انبیاء کی تعلیم سے مطابق ثابت کرنے سے اسلامی صداقت
کی شہادت دیتا ہے بلکہ اس کے ہم مذہب جو مشنری پیشہ نہیں رکھتے کھلے الفاظ
میں یہ گواہی دیتے ہیں کہ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جسکو ایک سائنس دان
بھی قبول کر سکتا ہے۔

نہ صرف اسلامی تعلیمات کی خوبی نے ہی مسیحی واعظ کی آنکھوں کو چندھیا دیا
ہے بلکہ اس تیزی کو مسیحی مشنری دیکھکر ششدر اور حیران رہ گیا ہے۔ جس
تیزی کیساتھ دنیا نے اپنے پرانے عقاید فاسدہ کو ترک کر کے اس نئے مذہب
یعنی اسلام کو خوش آمدید کہا ہے لیکن چونکہ وہ نہیں چاہتا کہ اس تعجب خیز کامیابی
کو اسلام کی حقانیت اور اسکی حقیقی روحانی طاقت کی طرف منسوب کرے اس نے
اس کامیابی کو جسمانی طاقت کی طرف منسوب کیا ہے جو اسکے زعم میں اہل دنیا
پر مسلمانوں نے استعمال کی تاکہ دنیا کو اسلام کے قبول کر لینے پر مجبور کریں عیسائی
مشنریوں کا یہ بھی دعوے ہے کہ جبر کا استعمال قرآن شریف نے بتایا تھا اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ طریق جابرانہ اختیار کیا گیا اور آپ کے صحابہ رضوان
اللہ علیہم اجمعین اس حکم کی فرمانبرداری میں بڑے زور سے کوشاں رہے اس سے بڑھکر
اور کوئی بے انصافی کی بات نہیں ہو سکتی کہ قرآن شریف یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کیطرف ایسی تعلیم منسوب کی جاوے یا یہ کہ آپ کے صحابہ نے لوگوں کو

زور سے مسلمان کرنیکے لیئے تلوار سے کام لیا تھا مندرجہ ذیل صفحات میں میرا کام صرف یہی ہے کہ میں ثابت کروں اور یہ بتاؤں کہ یہ الزام محض افترا ہے اور اس میں اصلیت رائی بھر بھی نہیں ہے قرآن شریف اس بات سے بالکل پاک ہے کہ وہ حکم دے کہ اسلام کی اشاعت کے لیئے تلوار سے کام لیا جاوے بلکہ وہ ایسے گندے طریق کو ایک جرم قرار دیتا ہے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن (النحل) یعنے تو اپنے رب کی راہ کی طرف بلا ساتھ حکمت اور اچھی نصیحت کے اور ان سے ایسی تدبیر کے ساتھ مباحثہ کر جو خوبی سے بھری ہوئی ہو پھر اللہ تعالے اہل کتاب یعنی یہود ونصاری کا ذکر کرکے فرماتا ہے کہ ولا تجادلوا اهل الکتٰب الا بالتی هی احسن (عنکبوت) اور اہل کتاب یہود ونصارٰی سے مباحثہ مت کرو مگر بڑی نرمی اور رافت سے اور سورہ آل عمران میں فرماتا ہے قل یا اهل الکتٰب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا الله ولا نشرك به شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون۔ کہدے اے اہل کتاب آؤ طرف ایک بات کی جو برابر ہے تمہارے درمیان اور ہمارے درمیان یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراویں اور کوئی ہم میں سے ایک دوسرے کو اللہ تعالے کے سوا رب نہ بناوے پس اگر یہ لوگ (اہل کتاب) پھر جاویں تو تم کہدو کہ گواہ رہو تحقیق ہم فرمانبردار ہیں۔

ان مذکورۃ الصدر آیات میں ہم مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اہل کتاب سے بہت ہی نرمی سے بحث کریں جتنا کہ ممکن ہو سکتا ہے اور اگر وہ ہمارے دلایل اور حجج قاطعہ اور براہین ساطعہ سے مستفید نہ ہوں تو ہمیں صرف یہ حکم ہے کہ کہدیں تم مانو یا نہ مانو مگر تم گواہ رہو کہ ہم اللہ تعالے کے فرمانبردار ہیں پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل هذه سبیلی ادعوا الی الله علی بصیرة انا ومن اتبعنی (سورہ یوسف) کہدے یہ میری راہ ہے میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں کامل بصیرت اور یقین تام سے اور میرے

متبعین بھی کامل بصیرت اور یقین تام سے اس راہ کی طرف بلاتے ہیں۔ پھر سورہ نحل میں فرمایا ہے وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ وھدی و رحمۃ لقوم یؤمنون اور ہم نے تجھپر اسلیئے کتاب نازل کی ہے کہ تو انکو کھول کر سنا دے وہ مسائل جن مین وہ اختلاف کرتے تھے اور یہ کتاب سراسر ہدایت اور رحمت ہے ایمانداروں کے لیئے پھر سورہ بنی اسرائیل مین فرماتا ہے قل لعبادی یقولوا التی ھی احسن اور تو میرے بندوں کو کہدے کہ ان کو چاہیے کہ بڑی عمدگی اور احسن طور سے گفتگو کیا کریں یہ تمام آیات صفائی سے بتا رہی ہیں کہ ہم کو یہ حکم ہے کہ ہم اسلام کی اشاعت بڑی نرمی اور حکمت سے کیا کریں دلائل اور بینات سے اسلام کی خوبیاں ظاہر کریں اور سخت کلمات کے استعمال سے پرہیز کریں اور تمام ایسے امور سے احتراز کرتے رہیں جن سے دوسرے مذاہب کے لوگوں کو دکھ یا تکلیف پہنچے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے لاتسبوا الذین یدعون من دون اللہ یعنے انکو گالیاں مت دو جو اللہ کو چھوڑ کر دوسرے بتوں کو پکارتے ہیں مذکورۂ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بڑی صفائی سے وہ قاعدہ بتا دیا ہے جس کا ہمیں اسلامی صداقت پر وعظ کرتے ہوئے پابند رہنا چاہیئے ہمیں بڑے زور سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم ملائمت اور صبر اور تحمل سے کام لیں یہ حکم اس قول سے کہ قرآن شریف تلوار کیساتھ اسلام پھیلانیکی تعلیم دیتا ہے بالکل مخالف ہے خدا تعالےٰ صریحاً منع فرماتا ہے کہ کوئی کسی قسم کا جبر و اکراہ نہ کیا جاوے یہ صریح حکم مندرجہ ذیل الفاظ میں دیا گیا ہے لا اکراہ فی الدین "مذہب میں کوئی جبر نہیں" اور اسکی دلیل کہ کیوں اسلام میں جبر نہیں اسی آیت میں بیان فرمائی گئی ہے اور وہ یہ ہے قد تبین الرشد من الغی یعنی "ہدایت اور گمراہی کا راستہ کھلم کھلا بیان کر دیا گیا ہے" اسلیئے ہر ایک انسان کو آزادی حاصل ہے کہ جو راستہ چاہے چن لے میں نہیں جانتا کہ کسی مذہبی کتاب نے ایسی صراحت کیساتھ دین میں جبر کرنے سے منع کیا ہو جیسا کہ قرآن شریف نے نعوذ

الفاظ میں جبر و اکراہ سے منع فرمایا ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ تمام کتب مقدسہ میں سے صرف قرآن شریف ہی ایک ایسی کتاب ہے جس پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ اس نے اپنے پیرؤوں کو مذہب کے پھیلانے کیلئے جبر و اکراہ کا حکم دیا ہے۔

محولہ بالا آیت میں صراحت سے بتایا گیا ہے کہ دین کے لیئے کسی قسم کا جبر جائز نہیں ہے اور اس آیت کریمہ کا منشا رہے کہ ہمارا راستہ صاف طور سے بتا دیا گیا ہے۔ اور اس لیئے جو کوئی اس سے انکار کرتا ہے پیچھے اسکے کہ اس کے لیئے ہدایت کی راہ کھول کر بیان کر دیگئی ہے اُس سے خدا تعالےٰ خود پوچھیگا قرآن شریف میں اور کئی جگہ... پر آیا ہے کہ اسلام کا قبول کرنا یا نہ قبول کرنا لوگوں کی مرضی پر چھوڑا گیا ہے اور نبی کا صرف اتنا فرض ہے کہ وہ کھلے الفاظ میں لوگوں کو خدا کا پیغام پہنچا دے۔ میں ذیل میں چند آیات پیش کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ آیات ناظرین کو اس نتیجہ تک پہنچا دینگی کہ قرآن شریف اس سے پاک ہے کہ وہ یہ حکم دے کہ مذہب کے پھیلانے کے لیئے تلوار کو استعمال کیا جاوے بلکہ قرآن شریف میں یہ فرمایا گیا ہے کہ نبی اور اس کے متبعین کو لازم ہے کہ وہ لوگوں کی مرضی پر اسلام کی قبولیت کو چھوڑ دیں چنانچہ وہ فرماتا ہے (۱) ان ھٰذہٖ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہٖ سبیلا۔ یعنے یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی راہ اختیار کرلے (سورۃ مزمل رکوع اول و دہر رکوع ۲)

(۲) کلا انہ تذکرۃ فمن شاء ذکرہٗ۔ ہرگز نہیں یہ قرآن شریف ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اس سے فائدہ اٹھاوے (سورۃ مدثر رکوع ۲)

(۳) وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔ یعنے اور تو کہدے یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے پس جو چاہے اسکو مانے اور جو چاہے اسکو نہ مانے (سورۃ کہف رکوع ۴)

(۴) وان اتلوا القراٰن فمن اھتدیٰ فانما یھتدی لنفسہٖ ومن ضل فقل انما انا من المنذرین اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں قرآن کو پڑھکر سنا دوں پس جو ہدایت پا گیا اسکا فائدہ اسکے نفس کو ہی پہنچیگا اور جو گمراہ ہو گیا پس کہدے میں تو ڈرانیوالا ہوں

(سورہ نمل رکوع ۷)

۵ - قل اللہ اعبد مخلصاً لہ دینی فاعبدوا ما شئتم من دونہ - کہدے میں خالص اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں پس تم عبادت کرو جسکی تم چاہو اسکے سوا (سورہ زمر رکوع ۲)

۶ - قل یایھا الناس قد جاءکم الحق من ربکم فمن اھتدیٰ فانما یھتدی لنفسہ ومن ضل فانما یضل علیھا وما انا علیکم بوکیل (کہہ اے لوگو تحقیق آگیا ہے حق تمہارے رب کی طرف سے پس جو ہدایت پاتا ہے پس اسکا فائدہ اسکی جان کو پہنچتا ہے اور جو سچی راہ چھوڑ دیتا ہے اسکا نقصان اسی کو پہنچتا ہے اور میں کوئی تمپر کارساز نہیں (سورہ یونس رکوع ۱۱)

۷ - من اھتدیٰ فانما یھتدی لنفسہ ومن ضل فانما یضل علیھا ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ یعنی جو ہدایت پا گیا وہ اپنی جان کو ہی فائدہ پہنچائیگا. اور جو سیدھی راہ سے دور چلا گیا اسکا وبال اسی پر پڑیگا اور کوئی بوجھ اٹھانیوالا دوسرے کے بوجھ کو نہیں اٹھائیگا (سورہ بنی اسرائیل رکوع ۲)

بہت سی آیتیں لکھی جا سکتی ہیں جن میں خدا تعالےٰ نے بجائے اسکے کہ وہ مومنوں کو حکم دے کہ اسلام کو بزور شمشیر پھیلاؤ یہ حکم دیا ہے کہ اسلام کا قبول کرنا لوگوں کی مرضی پر چھوڑا جائے وہ صراحت سے فرماتا ہے فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر یعنی جسکی مرضی ہو مانے اور جس کی مرضی ہو نہ مانے کیا یہ آیت کریمہ اس خیال کی جڑھ نہیں اکھیڑتی جسکا احصل یہ ہے کہ قرآن شریف نے اپنے متبعین کو حکم دیا ہے کہ اسلام کو پھیلانیکے لیے سخت ذرایع استعمال کیے جاویں قرآن شریف تو یہاں تک نبی کریم کو حکم دیتا ہے کہ نبی کریم اپنی تبلیغ کو حد سے زیادہ نہ لے جائیں اور صاف لفظوں میں آپ کو فرماتا ہے کہ آپکا فرض صرف پیغام الٰہی کے پہونچا دینا ہے اور اگر کفار آپ کی وصایا کی طرف توجہ نہ کریں تو آپکو چاہیئے کہ آپ انکو انکے حال پر ہی چھوڑ دیں کیونکہ آپ اس لیے نہیں بھیجے گئے کہ آپ جبر سے اور زور سے اسلام منوائیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نحن

اعلم بما یقولون وما انت علیھم بجبار فذکر بالقرآن من یخاف وعید یعنی ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں اور تو ان پر کوئی جبار نہیں تو قرآن کیساتھ وعظ کرتا رہ۔ ان لوگوں کو جو میرے عذاب سے ڈرتے ہیں (سورہ ق رکوع ۳) یہ آیت صاف طور سے بتاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسلیئے نہیں بھیجے گئے تھے کہ وہ لوگوں سے زبردستی اسلام منوائیں بلکہ آپ کے آنیکی غرض صرف یہی تھی کہ آپ انکو وعظ کردیں جو خدا سے ڈرتے تھے اور آپکی باتیں سننے کے لیئے آپکی طرف متوجہ ہوتے تھے آپکو باربار فرمایا گیا کہ آپ ان لوگوں کو انکے حال پر چھوڑ دیں جو آپ کی وصایا سُننا نہیں چاہتے۔ مندرجہ ذیل چند آیات لکھی جاتی ہیں جن میں آپکو یہ فرمایش کیگئی ہے کہ آپ اپنے آپکو مشقت میں نہ ڈالیں ان لوگوں کے لیئے جو آپ کے وعظ سُننے سے انکار کرتے تھے۔

۱۔ ما علی الرسول الا البلغ نہیں ہے رسول پر مگر پہنچا دینا (سورہ مائدہ رکوع ۳)

۲۔ واعرض عن المشرکین ولو شاء اللہ ما اشرکوا وما جعلناک علیھم حفیظا وما انت علیھم بوکیل۔ اور تو اعراض کر مشرکوں سے اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے تجھکو انپر نگہبان نہیں بنایا۔ اور تو انکا کارساز نہیں ہے (سورۃ انعام رکوع ۱۳)

۳۔ ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا لست منھم فی شیئ انما امرھم الی اللہ ثم ینبئھم بما کانوا یفعلون۔ تحقیق وہ لوگ جنہوں نے تفرقہ کیا اور فرقے فرقے ہوگئے تجھے انکے بارے میں کوئی اختیار نہیں انکا معاملہ خدا کے حضور پیش ہے اور انکو ان کے افعال سے خبر دیگا (سورہ انعام رکوع ۲۰)

۴۔ فذکر انما انت مذکر لست علیھم بمصیطر تو نصیحت کر تیرا کام نصیحت کرنا ہے اور تو انپر کوئی داروغہ نہیں (سورہ غاشیہ)

۵۔ فاعرض عن من تولی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوۃ الدنیا۔ تو اس سے مُنہ پھیر لے جس نے ہمارے ذکر سے مُنہ پھیرا اور دنیا کی زندگی کے سوا اور کچھ نہ چاہا (سورہ نجم رکوع ۲)

۶۔ فتول عنھم فما انت بملوم وذکر فان الذکری تنفع المؤمنین تو ان سے ہٹ جا تجھے کوئی ملامت نہیں اور تو نصیحت کرتا رہ کیونکہ نصیحت مومنوں کو فائدہ بخشتی

ہے (سورۃ ذاریات رکوع ۳)

۷۔ فذرھم یخوضوا ویلعبوا حتی یلقوا یومھم الذی یوعدون۔ تو ان کو چھوڑ دے جھگڑے کرتے ہوئے اور بے حقیقت بات کرتے ہوئے یہانتک کہ وہ اپنے دن کو ملیں جنکا انہیں وعدہ دیا گیا ہے (سورۃ معارج رکوع ۲)

حضرت نبی کریم کو سخت رنج ہوتا تھا جب وہ لوگوں کو گمراہی میں پھنسا ہوا دیکھتے تھے اور آپ ہمیشہ یہی کوشش کرتے تھے کہ لوگ صراط مستقیم کیطرف آجائیں اس غم کا جو آپکے دل کو اپنے ہموطنوں کو ضلالت اور بدیوں میں ڈوبا ہوا دیکھکر ہوتا تھا قرآن شریف میں ذکر کیا گیا ہے اور آپ سے اللہ تعالیٰ نے کئی دفعہ فرمایا کہ آپ ان تفکرات میں نہ پڑیں اور اپنے دل کو غمزدہ نہ ہونے دیں اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے لعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا۔ شاید تو اپنے آپکو اس غم سے ہلاک کر دیگا ان کے پیچھے کہ کیوں وہ خدا کی باتوں کو نہیں مانتے (سورہ کہف رکوع ۱) پھر خدا آپ کی لگاتار نصیحتوں کو اور وعظوں کو جو آپ کفار کو سنایا کرتے تھے ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعا افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین اور اگر تیرا رب چاہتا تو تمام زمین والے مومن ہو جاتے کیا تو لوگوں کو زبردستی مومن بنانا چاہتا ہے (سورۃ یونس رکوع ۱۰) یہاں اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ حد سے بڑھکر کسی کے پیچھے پڑنا اچھا نہیں تیرا کام سنا دینا ہے وبس (بر رسولان بلاغ باشد وبس) جب کہ خدا تعالیٰ کا یہ حکم ہے تو کسطرح خیال کیا جا سکتا ہے؟ کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کے پھیلانے کیلئے تلوار استعمال کرنیکا حکم دیا ہو صرف خالص ایمان ہی کو خدا قبول کرتا ہے اور خالص ایمان دل سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ تلوار کے ڈر سے خدا تعالیٰ نفاق اور جھوٹے ایمان کو بہت ہی ناپسند کرتا ہے اور فرماتا ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ ومن الناس من یقول آمنا باللہ وبالیوم الآخر وما ھم بمؤمنین تحقیق وہ لوگ جو سچے طور سے ایمان نہیں لاتے بلکہ ان کے دلوں میں کچھ اور ہوتا ہے

اور زبانوں پر کچھ اور ایسے لوگ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ڈالے جائیں گے اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ کیساتھ اور آخری دن کیساتھ حالانکہ وہ ایماندار نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان دلی یقین کا نام ہے۔ لیکن تلوار کی حکومت صرف زبان پر ہو سکتی ہے دل پر حکومت صرف خدا کی ہے لیکن کیا تلوار لوگوں سے سوائے اس منافقانہ ایمان کے اور کچھ لے سکتی ہے کیا تلوار دل کو اطمینان دے سکتی ہے منافقین کی نسبت اللہ تعالےٰ فرماتا ہے بشر المنافقین بان لہم عذابا الیما۔ منافقوں کو یہ خبر دے کہ ان کے لیئے دردناک عذاب ہے (سورۃ نساء رکوع ۲۰) ان اللہ جامع المنافقین والکافرین فی جہنم جمیعا۔ تحقیق اللہ منافقوں کو اور کافروں کو سب کو جہنم میں جمع کریگا (سورۃ نساء رکوع ۲۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کا جنازہ پڑھنے سے ممانعت کی گئی ولا تصل علیٰ احد منہم مات ابدا ولا تقم علیٰ قبرہ (سورۃ توبہ میں آیا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ تو ان منافقوں کے لیئے اگر وہ مر جائیں کبھی دعا نہ مانگنا اور نہ انکی قبر پر جا کر کھڑے ہونا اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ منافق ان دفاعی جنگوں میں کبھی شریک نہ ہونگے جو مسلمانوں کو مجبوراً اپنے بچاؤ کے لیئے کفار عرب سے کرنے پڑتے تھے خدا فرماتا ہے فقل لن تخرجوا معی ابدا ولن تقاتلوا معی عدوا (سورہ توبہ رکوع ۱۱) تو ان منافقوں کو کہدے کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ نکل نہیں سکتے اور کبھی بھی میرے ساتھ ہو کر دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے انکو یہ بھی کہا گیا تھا کہ ان کے صدقے قبول نہیں کیئے جائیں گے قل انفقوا طوعا او کرہا لن یتقبل منکم انکم کنتم قوما فاسقین کہدے خوشی سے خرچ کرو یا کراہت سے۔ تمہارے صدقے منظور نہیں کیئے جائیں گے تحقیق تم بدکار لوگ ہو (سورۃ توبہ رکوع ۷) وما منعہم ان تقبل منہم نفقاتہم الا انہم کفروا باللہ وبرسولہ ولا یاتون الصلوٰۃ الا وہم کسالیٰ ولا ینفقون الا وہم کارہون۔ اور وہ کیا چیز ہے جو ان کے صدقوں کے قبول ہونیکو روکتی ہے مگر یہی کہ اللہ اور رسول سے انکار کرتے ہیں اور نماز پڑھنے میں بڑے سست ہوتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں کراہت کرتے ہیں

(سورہ توبہ رکوع ۷) قرآن شریف کا کوئی صفحہ پڑھو اور آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ صرف خالص ایمان ہی اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے اور نفاق اور جھوٹے ایمان کو خدا بڑے غضب کی نظر سے دیکھتا ہے لیکن کیا وہ آدمی جو خلاف اپنی مرضی کے کسی اعتقاد کے ماننے کے لیئے مجبور کیا گیا ہو خالص مومن کہلا سکتا ہے؟ کیا یہ مسلمہ امر نہیں ہے کہ جو آدمی اپنی مرضی کے برخلاف کسی اعتقاد کو مانے تو وہ منافق ہے تو پھر یہ خیال کیسا.... غیر معقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالےٰ نے حکم دیا تھا کہ وہ کافروں کو زبردستی مسلمان بنا کر منافقوں اور فاسقوں کے گروہوں سے اسلام کو بھر دیں خدا تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ صرف خدا ہی ہے جو انسانوں کو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے ایمان اور یقین کا محل دل ہے اور دلکو سچائی کی طرف صرف خدا ہی رہنمائی کرسکتا ہی کہ اور دل تک راہ نہیں پا سکتی انسانوں کو سچے راہ کی طرف رہنمائی کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان اللہ یسمع من یشاء وما انت بمسمع من فی القبور ان انت الا نذیر (سورہ فاطر رکوع ۳) تحقیق اللہ تعالےٰ اسنواتا ہے جسکو چاہتا ہے تو ایسے لوگونکو نہیں سنوا سکتا جو قبروں میں مردوں کی طرح پڑے ہیں تیرا کام صرف ڈرا دینا ہے۔

فان کذبوک فقل لی عملی ولکم عملکم انتم بریئون مما اعمل وانا بریء مما تعملون ومنهم من یستمعون الیک افانت تسمع الصم ولو کانوا لا یعقلون ومنهم من ینظر الیک افانت تهدی العمی ولو کانوا لا یبصرون ان اللہ لا یظلم الناس ولکن الناس انفسهم یظلمون اور اگر وہ تیری تکذیب کریں تو کہدے میرے لیئے میرے عمل ہیں اور تمہارے لیئے تمہارے عمل تم بری ہو اس سے جو میں کرتا ہوں۔ اور میں بری ہوں اُس سے جو تم کرتے ہو بعض ان میں ایسے ہیں جو تیری بات بظاہر سنتے ہیں کیا تو بہرونکو سنا سکتا ہے اگرچہ ان میں کچھ بھی عقل نہ ہو اور بعض ان میں ایسے ہیں جو تیری طرف دیکھتے ہیں کیا تو اندھونکو راہ دکھا سکتا ہے اگرچہ وہ بصیرت نہ رکھتے ہوں تحقیق اللہ تعالےٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں (سورہ یونس رکوع ۵) پھر قرآن شریف میں فرماتا ہے لیس علیک هدٰهم

ولکن اللہ یھدی من یشآء تجھ پر ان کی ہدایت نہیں ہے لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسکو چاہتا ہے (سورہ بقرہ رکوع ۳۷) ایسے ہی الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو فرمائے گئے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یاایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم - اے ایمان والو تم اپنا خیال رکھو تم کو کوئی ضرر نہیں دیسکیگا جو گمراہ ہو گیا جب تم ہدایت پر ہو گے۔

میں نے بہت سی آیات قرآن شریف سے پیش کر کے یہ دکھایا ہے کہ قرآن شریف کہیں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ حکم نہیں دیتا کہ اسلام کی اشاعت کے لیئے زور اور تلوار کو استعمال کیا جاوے برخلاف اسکے قرآن شریف یہ نصیحت کرتا ہے کہ اسلام کی طرف انسانوں کو بڑے تلطف اور حلم سے مدعو کیا جاوے اور ان کے سامنے اسلام کے محاسن اور خوبیاں بیان کیجاویں اور ان کے معتقدات پر کسی قسم کا سخت حملہ نہ کیا جاوے قرآن شریف صراحت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بتاتا ہے کہ انکا فرض صرف یہ ہے کہ وہ پیغام الٰہی کو پہنچا دیں اور انکو اس میں ذرا بھی دخل نہیں کہ وہ پیغام قبول کیا گیا ہے یا نہیں کیونکہ پیغام الٰہی منوانا انکا فرض نہیں ہے ان کا کام صرف سنا دینا ہے ان انت الا نذیر "تو صرف ایک ڈرانیوالا ہے" اللہ تعالیٰ جلشانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فرماتا ہے علیکم انفسکم "تم اپنے نفسوں کے ذمہ دار ہو" اس صریح تعلیم کے ہوتے ہوتے یہ کہنا کہ قرآن شریف نبی کریم و صحابہ کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتا ہے کہ تلوار پکڑ لو اور جبر سے اسلام دنیا میں پھیلا دو یہ ایک ایسا بڑا جھوٹ ہے جو کبھی کسی انسان کے منہ سے نہیں نکلا اور ہمیں افسوس سے یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ اس تمام کذب کے ذمہ وار عیسائی مشنری ہیں اور پھر افسوس پر افسوس آتا ہے کہ باوجود اسکے کہ بار بار ان کو جتایا گیا ہے کہ قرآن شریف کے برخلاف یہ الزام جھوٹ پر مبنی ہے اور اس کی کوئی بنیاد نہیں پھر بھی اپنی غلطی اور شرارت پر اڑے ہوئے ہیں اور اپنے اس مجرمانہ اصرار سے توبہ نہیں کرتے۔

خود اسلام کا لفظ جس کے معنے ہیں اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے گردن ڈال دینا اور اپنی مرضی کو اس کی مرضی پر چھوڑ دینا صاف طور سے اس بات کو رد کرتا ہے کہ اسلام میں جبر اور اکراہ جائز ہے اللہ تعالےٰ بالتصریح فرماتا ہے کہ اسلام میں تب ہی انسان داخل سمجھا جاتا ہے کہ جب وہ شرح صدر سے حکومت الٰہیہ کو اپنے کندھوں پر اٹھالے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام (سورۃ انعام رکوع ۱۵) جسکو اللہ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اسکا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔

بڑی دلیل جو عیسائی مشنری اپنے دعاوی کے ثبوت میں پیش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں ایسی آیات موجود ہیں جو کفار سے جنگ کرنیکی اجازت دیتی ہیں لیکن ان آیات کا مطالعہ صاف بتاتا ہے کہ عیسائی واعظ نے قرآن شریف کے متعلق بڑی سخت بے انصافی کا ارتکاب کیا ہے جو ہرگز قابل معافی نہیں ہو سکتا ان آیات میں جن میں تلوار ہاتھ میں لینے کی اجازت دیگئی ہے صاف اور کھلے الفاظ میں وہ وجوہ اور دلائل بتائے گئے ہیں جن کیوجہ سے مومنوں کو لڑنے کی اجازت ملی ہے یہ امر صاف بتا رہا ہے کہ مشنری منقدسکے خیالات اور ارادے دیانت داری کے اغراض سے پیدا نہیں ہوئے کون ہے جو یہ نہیں جانتا کہ مسلمانوں کو اسلام کے ابتدائی ایام میں کیسے کیسے عذاب اور تکالیف شدید دیئے گئے تھے لیکن خدا تعالےٰ نے انکو حکم دیا تھا کہ صبر اور تحمل سے ان مصائب شدیدہ کو برداشت کرو جو انکا بیرحم دشمن انکو پہنچا رہا تھا اللہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ واتبع ما یوحیٰ الیک واصبر حتیٰ یحکم اللہ وھو خیر الحاکمین اور تو پیروی کر اسکی جو تیری طرف وحی کیجاتی ہے اور صبر کر یہانتک کہ اللہ فیصلہ کرے اور وہ بہتر ہے فیصلہ کرنیوالوں میں سے (سورۃ یونس رکوع ۱۱) واصبر وما صبرک الا باللہ ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیق مما یمکرون ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون اور تو صبر سے کام لے اور تیرا صبر صرف اللہ ہی کے لیے ہونا چاہیئے اور تو انپر غم نہ کھا اور تنگی میں مت ہو اس سے جو وہ تیرے برخلاف منصوبہ بازی کرتے ہیں۔

اللہ انکے ساتھ ہے جو اللہ کے حکم پہ چلتے ہیں اور وہ اسطرح نیکی کرتے ہیں کہ گویا خدا کو دیکھ رہے
ہیں اور خدا انہیں دیکھ رہا ہے (سورۃ نحل رکوع ۱۶) قل للذین اٰمنوا یغفروا للذین
لایرجون ایام اللہ لیجزی قوما بما کانوا یکسبون (سورۃ جاثیہ رکوع ۲) قل یا عباد
الذین اٰمنوا اتقوا ربکم للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنۃ وارض اللہ واسعۃ
انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب (سورۃ زمر رکوع ۲) ترجمہ تو کہدے ایمان والوں کو کہ
وہ ان لوگوں سے درگذر کرتے رہیں جو اللہ کے نعم اور نقم کی امید نہیں رکھتے تاکہ اللہ انکو جزا دے انکی کمائیوں
کیموافق تو کہدے ایسے مومن بندو تم اپنے رب سے ڈرتے رہو وہ لوگ جو اس دنیا مین نیکی کرتے ہیں انکے
لیے سکھ ہے اور اسکی زمین بہت کشادہ ہے صابرونکو بیشمار اجر ملیگا اس آیت کریمہ مین اللہ تعالے مومنونکو
فرماتا ہے کہ وہ کفار کے عذابوں کو صبر سے برداشت کریں اور دوسرے ملکوںمیں ہجرت کرجاویں اگر ان کی جانیں
انکے اپنے وطن مین اجیرن دوبھر ہوگئی ہیں کیونکہ خدا کی زمین وسیع ہے چنانچہ ان ایام میں مسلمانونکو سخت
مصائب صبر سے جھیلنے پڑے اور آخرکار اپنے وطن عزیز کو خیرباد کہنا پڑا اور اجنبی ملکوں مین پناہ لینی پڑی
آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دوبار ابی سینیا (حبشہ) کیطرف بھاگنا پڑا لیکن انکے مخالفین کا
غضب یہانتک بڑھا ہوا تھا کہ وہاں تک بھی بغیر تعاقب کیے رہ نہ سکے ایک سفارت اس ملک کے عیسائی بادشاہ
کیطرف بھیجی گئی کہ یہ لوگ انکو دیئے جاویں مگر وہ ناکام پھرے۔ قریشی سفیروں کی یہ ناکامی ....
مغرور دشمن کے سخت غضب بھڑکنے کا باعث ہوئی اور اس نے دوگنے جوش کیساتھ مسلمانونکے چھوٹے
سے گروہ کو تکلیف دینی شروع کی آخرکار جب مدینہ کے چند لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام
قبول کیا تو آپنے یہ دیکھکر کہ اب قریش کا ظلم اور تعدی بالکل ناقابل برداشت ہوگئی ہے صحابہ کرام رضوان اللہ
علیہم اجمعین کو فرمایا کہ تم اب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرجاؤ کیونکہ اللہ تعالے نے تمہارے لیے اس مقدس شہر
مین اپنے بھائی بنا دیے ہیں اور تمہیں وہاں ایک گھر دیا ہے جہاں کہ تم آرام پاسکتے ہو اسلئے قدسیوں کی
جماعت نے آہستہ آہستہ دو دو تین تین کرکے اپنے اپنے پناہ گاہ کی طرف ہجرت کرگئے کفار مکہ نے
بڑے مصمم ارادے سے یہ سازش کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان مبارک پر حملہ کریں لیکن اللہ
نے آپکو ان کی سازش سے اطلاع دی اسلیئے آپکو آپ کے صحابہ کے پیچھے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت
کرنی پڑی اس طرح سے کفار مکہ کے ظلم سے تنگ آکر تمام مسلمان اپنے عزیز وطن کو ترک کرکے

پرویس مین بھاگ گئے سولے چند آدمیونکے جو یا تو کفار کے قبضے میں تھے یا انکے قیدی تھے یا ایسے
ضعیف تھے کہ وہ بھاگنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے لیکن ٹھیک جیسا کہ انکی دشمنی اور مخالفت نے پہلے مہاجرونکا تعاقب حبشے تک کیا تھا ویسا ہی انہوں اس دفعہ بھی ان نئے مہاجرونکا تعاقب مدینہ طیبہ تک کیا مہاجرین کے اس نئے گروہ کو مدینہ گئے ہوئے ایک سال بھی نہیں گذرا تھا جبکہ دشمن کی متفقہ فوج مکہ سے روانہ ہوئی تاکہ وہ مسلمانونکا اس نئے پناگاہ مین کام تمام کر دے ایسے نازک وقت مین خدا نے انکو محض دفاع کے لیئے تلوار اٹھانیکی اجازت بخشی وہ آیت شریف جسمیں دفاع کی اجازت بخشی گئی یہ ہے ان اللہ یدافع عن الذین امنوا ان اللہ لایحب کل خوان کفور ۝ اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ولولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لہدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیہا اسم اللہ کثیرا ولینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز (سورۃ الحج رکوع)
تحقیق اللہ تعالےٰ مومنوں سے دفاع کرتا ہے اللہ کو خائن اور ناشکرگذار لوگ پسند نہیں ہیں اجازت دی جاتی ہے ان لوگونکو جنسے لڑائی کیجاتی ہے کیونکہ وہ بہت مظلوم ہیں اور اللہ انکی مدد کرنیپر بڑی قدرت رکھتا ہے۔ وہ ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے صرف اسلیئے کہ انہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ تعالےٰ اسطرح بعض کا بعض سے دفاع نہ کرتا رہتا تو یہ راہبوں کے تکیئے گرجے اور یہودیوں کے معبدخانے اور مساجد مسمار کر دیجاتیں حالانکہ ان سبکا نومیں اللہ کا نام لیا جاتا ہے اور اللہ اسکی ضرور مدد کریگا جو اسکی مدد کرتا ہے اللہ بڑی قوت والا اور بڑی عزت والا ہے یہ آیت صاف بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے تلوار اسلیئے نہیں اٹھائی تھی کہ وہ کفار کو جبراً مسلمان کریں یہ صرف اسلیئے تھا کہ وہ بغیر کسی اپنے جرم کے ناحق ستائے جاتے تھے صرف اتنی بات پر کہ وہ ایک خدا قادر مطلق پر ایمان لائے تھے اور اسلیئے کہ وہ اپنے عزیز اقارب اور گھروں سے نکالے گئے تھے اسلیئے کہ خواہ مخواہ انکو تنگ کیا جاتا تھا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلامیوں نے تلوار اٹھانے میں ابتدا نہیں کی ہاں انہوں نے اسوقت تلوار اٹھائی جب اسکے برخلاف ہتھیار اٹھائے گئے تھے اور وہ بھی اللہ تعالےٰ کی اجازت کے بعد لیکن چونکہ مسلمانوں کی تعداد اتنی کافی نہ تھی کہ وہ دشمن کی متفقہ افواج کا مقابلہ کر سکتی اسلیئے اللہ تعالےٰ نے خود مدد دینے کا وعدہ فرمایا اور پھر خدا فرماتا ہے کہ اگر خدا لوگونکا دفاع نہ کرتا رہے بعض کا بعض سے تو یہ تمام معبدخانے جنمیں خدا کا مبارک نام

لیا جاتا ہے بالکل تباہ کر دیئے جائیں" اس آیت سے بھی کھلے طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خدا مسلمانوں کو ہرگز یہ اجازت نہیں دیتا کہ دیگر مذاہب کے معبدوں کو منہدم کریں یہ تعلیم اس قول کی کھلے طور پر تردید کرتی ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو تلوار اس غرض سے اٹھانے کا حکم دیا کہ تلوار کے ذریعہ سے اسلام کی اشاعت کیجاوے اور جبراً لوگوں کو مسلمان کیا جاوے سب سے پہلی آیت میں جس میں لڑنے کی اجازت دیگئی مسلمانوں کو سکھلایا گیا کہ ہر مذہب کے متبعین کو یہ اجازت دیجاوے کہ وہ خدا کی عبادت کریں جسطرح چاہیں اور انکے عبادتگاہوں کی عزت کیجاوے پھر یہ کیسے خیال کیا جاسکتا ہے کہ اسلام نے لڑنیکی اجازت اسلیئے دی کہ جبراً دوسرے مذاہب کے پیروؤں کو مسلمان بنایا جاوے دفاع کی اجازت صرف اسلیئے دیگئی تھی کہ دشمن اسلام اسلام کو جبر سے اکھیڑنا چاہتا تھا اور اگر اسکا دفاع نہ کیا جاتا یعنے اسکو اس بد ارادے سے روکنے کی کوشش نہ کیجاتی تو مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت بالکل دنیا سے نابود ہوجاتی قرآن شریف اسکی شہادت دیتا ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے **ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا** (سورۃ بقر رکوع ۲۷) اور تم سے ہمیشہ وہ لڑتے رہینگے یہانتک کہ تم کو کافر بنادیں اگر وہ طاقت پاسکیں یہ امر کہ تلوار صرف ظلم کرنیوالوں کے مقابل میں اٹھائی گئی تھی قرآن شریف کی اور آیات سے بھی ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالے فرماتا ہے **الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم وھموا باخراج الرسول وھم بدؤکم اول مرۃ اتخشونھم** (سورہ توبہ رکوع ۲) کیا تم ایسی قوم سے نہیں لڑتے جنہوں نے اپنے عہد وپیمان کا کچھ پاس نہ کیا اور اسکو توڑ دیا اور انہوں نے رسول کے نکالنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے ابتدا کی کیا تم ان سے ڈرتے ہو **وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا** (سورۃ النساء رکوع ۱۰) "اور تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے ہو اور ضعیف مرد اور عورتیں اور بچے جو ہر وقت یہ دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے رب ہمارے ہمکو اس گاؤں سے نکالدے انکے رہنے والے ظالم ہیں اپنی طرف سے ہمارے لیئے تو اپنے حضور سے ہمارا مددگار بنادے" نیز مسلمانوں کو جو ترغیب مندرجہ بالا آیات میں دیگئی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے خونی دشمن سے لڑنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ وہ بلحاظ تعداد اور قوت کے ان سے بہت بڑھا ہوا تھا اور اگر خدا کا حکم اور متواتر مدد کا وعدہ نہ ہوتا تو مسلمان اپنے عظیم الشان دشمن کا مقابلہ کرنیکی کبھی جرأت نہ کرتے یہی امر اور آیات سے بھی ظاہر ہے مثلاً قرآن شریف فرماتا ہے **واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین**

انھا لکم و تودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم (سورۃ الانفال رکوع ۱) اور جب اللہ تمکو وعدہ دیتا تھا کہ ان دو گروہوں میں سے ایک تمہارا ہوگا اور تم چاہتے تھے کہ وہ گروہ جس کے پاس ہتھیار نہوں کیا یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی قلیل جماعت حسب آیات قرآنی ابتدا میں عظیم الشان دشمن کے ساتھ لڑنے سے ڈرتے تھے انکی نسبت کسطرح خیال کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے خونی دشمنوں کو جبراً مسلمان کرنیکے لیئے تلوار اٹھائی یہ امر کہ لوگوں کو جبراً مسلمان بنانیکے لیئے تلوار نہیں اٹھائی گئی اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو صرف ایسے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنیکی اجازت دیگئی تھی جو انکے ساتھ جنگ کریں ہر ایک کافر کیساتھ جنگ کرنیکی اجازت نہ تھی

اور وہ کفار جو مسلمانوں کو تکلیف نہیں دیتے تھے اور ان سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے تھے ایسے کفار سے صرف لڑنا ہی منع نہ تھا بلکہ ان سے دوستانہ تعلقات رکھنے کی بھی اجازت تھی اور ان سے عمدہ سلوک کرنیکا حکم تھا صرف ایسے کفار کا مقابلہ کرنیکی اجازت تھی جو مسلمانوں سے لڑتے تھے اور ان سے بھی حد سے آگے بڑھنا ہرگز جایز نہیں رکھا گیا تھا اور اگر وہ لڑائی سے باز آجاویں تو پھر ان سے بھی لڑنا ہرگز جایز نہ تھا لڑائی صرف اسوقت تک جاری رہ سکتی تھی جب تک دوسری جماعت ان کو لڑتی اور اگر دوسرا فریق لڑائی سے دست کش ہوجاتا۔ تو اسلامیوں کو بھی فوراً لڑائی بند کرنیکا حکم تھا اور اثنائے جنگ میں بھی مسلمانوں کو قوانین انصاف کی پابندی لازمی تھی یہ سب امور قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیات میں مفصل بیان کیئے گئے ہیں۔ ۱۔ قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے آگے مت گزرو۔ اللہ تعالے کو حد سے تجاوز کرنیوالے پسند نہیں ہیں (سورۃ بقر رکوع ۲۴) ۲۔ فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ مع المتقین پس جو کوئی تمپر زیادتی کرے تو تم بھی اسپر زیادتی کرو جتنی اسنے تمپر زیادتی کی ہے اور اللہ سے ڈرو اللہ متقیوں کے ساتھ ہے (سورۃ بقر رکوع ۲۴) ۳۔ فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلا اگر وہ تم سے کنارہ کشی اختیار کریں اور تم سے لڑائی نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا پیام بھیجیں تو اللہ نے تمہارے لیئے انپر کوئی راہ نہیں رکھی یعنے تمہارے لیئے ہرگز جایز نہیں ہے کہ ان سے لڑائی کرو (سورۃ النسا رکوع ۱۲)

۴۔ فان لم یعتزلوکم ویلقوا الیکم السلم ویکفوا ایدیہم فخذوھم واقتلوھم حیث ثقفتموھم واولئکم جعلنا لکم علیہم سلطانا مبینا اور اگر وہ تم سے کنارہ کشی اختیار نہ کریں اور تمہیں صلح کا پیام نہ دیں اور تم سے اپنے ہاتھوں کو بند نہ کریں تو انکو پکڑو اور ان سے لڑائی کرو جہاں تم انکو پاؤ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کیساتھ لڑنیکے لئے تمکو صاف حق پہنچتا ہے (سورۃ النساء رکوع ۱۲) ۵۔ قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفرلھم ما قد سلف۔ تو کافروں کو کہدے اگر وہ اپنی شرارتوں سے باز آجاویں تو انکی گذشتہ غلطیوں کو معاف کر دیا جاویگا (سورۃ انفال رکوع ۵) ۶۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ انہ ھو السمیع العلیم وان یریدوا ان یخدعوک فان حسبک اللہ اور اگر صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کیلئے جھک جا اور اللہ پر بھروسہ کر وہ سننے والا اور جاننے والا ہے اور اگر وہ تجھے دھوکا دینا چاہیں تو اللہ ہی تجھکو کافی ہوگا (سورۃ الانفال رکوع ۸) آخری آیت میں حکم دیا کہ کافروں سے صلح کرلیں جب کبھی وہ صلح کی درخواست کریں اور یہ خیال کہ دشمن دھوکہ سے صلح کر رہا ہے اور جب کبھی وہ موقع پائیگا تو پھر مخالفت کرنے پر آمادہ ہو جائیگا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صلح کرنے سے مانع نہیں ہو سکتا تھا صلح کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسقدر مستعدی صاف بتا رہی ہے کہ آپ کیسے صلح جو اور امن پسند تھے محولہ بالا آیت کا حکم صاف بتا رہا ہے کہ یہ لڑائیاں اسلام کی اشاعت کیلئے نہیں تھیں بلکہ امن کے قائم رکھنے اور ایمانداروں کی جان بچانیکی خاطر اللہ نے مومنوں کو تلوار اٹھانیکا حکم دیا تھا لیکن اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے نظیر ورپر تلطف سلوک کیا مگر وہ فیاض دلی جسکے ساتھ آپ دشمنوں کی پیش کردہ صلح کی تجویز کو قبول کرنیکے لیئے تیار رہتے تھے آپکے دشمنوں سے کبھی ظہور میں نہیں آئی اللہ تعالیٰ انکی دغابازی کیطرف مندرجہ ذیل آیات میں اشارہ فرماتا ہے (۱) کیف وان یظھروا علیکم لا یرقبوا فیکم الا ولا ذمۃ یرضونکم بافواھھم وتابی قلوبھم واکثرھم فاسقون اشتروا بآیات اللہ ثمنا قلیلا فصدوا عن سبیلہ یہ کیسے ہو سکتا ہے اور اگر وہ تمپر غالب آجاویں تو وہ تمہارے بارہ میں کسی رشتہ داری اور عہد کی پرواہ تک نہیں کرتے تمہیں اپنے منہ کی باتوں سے راضی کرنا چاہتے ہیں اور انکے دل انکار کرتے ہیں اور انمیں اکثر فاسق ہیں انہوں نے آیات اللہ کے بدلے تھوڑا مول لے لیا ہے پس انہوں نے اللہ کی راہ سے روکدیا (سورۃ توبہ رکوع ۲) (۲) لا یرقبون فی مومن الا ولا ذمۃ واولئک ھم المعتدون وہ مومن کے بارے میں کسی رشتہ داری اور عہد کی پرواہ نہیں کرتے اور وہ لوگ حد سے گزرے ہوئے ہیں (سورۃ توبہ رکوع ۲) ۳۔ لا تزال تطلع علی خائنۃ منھم الا قلیلا منھم فاعف عنھم واصفح ان اللہ یحب المحسنین تو ہمیشہ انکی خیانت پر اطلاع پاتا رہیگا سوائے چند کے تو ان سے درگذر کر اور معاف کر اللہ تعالیٰ نیکی کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے (سورۃ المائدہ رکوع ۳) یہ آیات وضاحت سے بیان کر رہی ہیں کہ کافر

اپنے عہد و پیمان پر قائم نہ رہتے تھے اور وہ انکی ذرا بھی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر بھی یہ حکم تھا کہ آپ ان سے جہانتک ممکن ہو درگذر فرماتے رہیں لہذا جب کبھی وہ صلح کی درخواست کرتے انکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً تسلیم فرما لیتے اور انکے گذشتہ قصوروں اور خطاؤں کو بالکل نسیاً منسیا کر دیتے اور جب وہ عہد کو توڑ دیتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسے اسلیئے نہ لڑتے تھے کہ انسے اسلام قبول کرایا جاوے بلکہ اسلیئے کہ وہ تعدی اور ظلم سے رکجاویں جیسا کہ منجملہ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے وان نکثوا ایمانہم من بعد عہدھم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر انہم لا ایمان لہم لعلہم ینتہون (سورۃ توبہ رکوع ۲) اور اگر وہ اپنی قسموں کو اپنے عہد کے بعد توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو کفر کے سرداروں کے ساتھ لڑائی کرو تحقیق انکا عہد و پیمان نہیں شاید وہ باز آجائیں لیکن اگرچہ مسلمانوں کو صرف انہی کیساتھ لڑنیکا حکم تھا جو انکے ساتھ لڑتے تھے مگر پھر بھی انکو انصاف کی پابندی کی سخت تاکید تھی خدا تعالےٰ نے مسلمانوں کو فرمایا لا یجرمنکم شنان قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب (سورۃ مائدہ رکوع ۱) اور نہ ترغیب دے تمکو کسی قوم کی دشمنی اسلیئے کہ اس نے روکا تھا تمکو مسجد حرام سے یہ کہ تم حد سے گذر جاؤ نیکی اور تقوی پر مدد کرو گناہ اور ظلم پر مدد نہ کرو اللہ سے ڈرتے رہو اللہ سخت پکڑنیوالا ہے یا ایہا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون (سورہ مائدہ رکوع ۲) اے مومنو! ہو جاؤ کھڑے ہونیوالے اللہ کیلیئے گواہ ساتھ انصاف کے اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ترغیب نہ دے اس بات کی کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو وہ بہت قریب ہے تقوی کے اللہ سے ڈرو اللہ تعالےٰ تمہاری کرتوتوں کو جانتا ہے۔ بدی کرنیوالوں کو سزا دینے میں انصاف کی سخت پابندی کیجاتی تھی اور جہانتک ممکن ہو سکتا تھا نرمی اور معافی کو ترجیح دی جاتی تھی قرآن شریف فرماتا ہے وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین (سورہ نحل رکوع ۱۶) اور اگر تم سزا دو تو اتنی ہی سزا دو جتنی کہ تمہیں سزا دی گیئی اور صبر کرو تو صبر کرنیوالوں کے لیئے بہتر ہے اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم (سورہ حم سجدہ رکوع ۵) عمدہ تدبیر سے برائی

کو دور کر وپس ناگہاں وہ شخص کہ درمیان تیرے اور اسکے عداوت ہے گویا کہ وہ پکا اور گرم دوست بنجائے یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنے مخالفوں کی گذشتہ بیرحمیوں اور ظلموں کو معاف کرنیکے لیئے طیار رہتے تھے اگر وہ ذرا بھی شرارتوں سے باز رہنے کا میلان دکھلاتے . . یہ امر کہ اسلامی لڑائیاں اس غرض سے اختیار نہیں کی گئیں تھیں کہ اسلام کافروں میں جبراً پھیلایا جائے مندرجہ ذیل آیت سے بھی بخوبی واضح ہوتا ہے وان احد من المشرکین استجارك فاجره حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغه مامنه ذٰلك بانهم قوم لا یعلمون (سورۃ توبہ رکوع ۱) اور اگر کوئی مشرکوں میں سے پناہ مانگے تو ان کو پناہ دیدے یہانتک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اسکو اسکی امن کی جگہ پہنچادے یہ اسلیئے ہے کہ وہ بیعلم قوم ہے ان کافروں کی بابت جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہیں کرتے تھے مسلمانکو یہ حکم تھا کہ وہ ان سے حسن سلوک کریں قرآن شریف فرماتا ہے لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین (سورہ ممتحنہ رکوع ۲) خدا تم کو منع نہیں کرتا ہے ان لوگوں سے جنہوں نے تم سے لڑائی نہیں کی مذہب کیخاطر اور انہوں نے تمکو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا یہ کہ تم ان سے نیکی کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ ہو تو اللہ تعالے کو انصاف کرنیوالے بہت پسند ہیں۔ انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولٰئك ھم الظٰلمون (سورۃ ممتحنہ رکوع ۲) تحقیق اللہ تعالےٰ منع کرتا ہے تم کو ان لوگوں سے جنہوں نے تم سے لڑائی کی دین کے معاملہ میں اور انہوں نے تمکو تمہارے گھروں سے نکالدیا اور انہوں نے تمہارے نکالنے پر مدد دی انکو اپنا ولی دوست مت بناؤ اور جو ان سے دوستی گانٹھیگا وہ ضرور ظالم ہوجائیگا۔

مسلمانونکو یہ حکم تھا کہ وہ عہد پر پکے رہیں جب تک کافر عہد پر قائم رہیں مندرجہ ذیل آیت بتاتی ہے کہ بعض مسلمانوں پر عہد پر قائم رہنے والے کافرونکو ترجیح دیجاتی تھی والذین اٰمنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شیءٍ حتی یھاجروا وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علیٰ قوم بینکم وبینھم میثاق واللہ بما تعملون بصیر (سورہ انفال رکوع ۱۰) اور وہ

جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تمہارا ایسوں سے کوئی تعلق نہیں یہانتک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر تم سے دین کے بارہ میں مدد مانگیں تو تم پر انکی مدد کرنا لازم ہے ہاں مگر اس قوم کے مقابلے میں تم انکی مدد نہیں کر سکتے جس قوم سے تمہارا عہد و پیمان ہو چکا ہے اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھتا ہے دیکھو کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں کیساتھ عہد و پیمان کی پابندی کرنے میں کیسی احتیاط کرنی پڑتی تھی۔

مندرجہ ذیل آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو کسی کافر کی جان محض اسکے برے عقاید کی بنا پر لینے کی اجازت نہ تھی خدا تعالےٰ فرماتا ہے من قتل نفساً بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً (سورہ مائدہ رکوع ۵) جو کوئی کسی جان کو بغیر جان کے قتل کرتا ہے یا بغیر کسی فساد کے زمین میں تو گویا وہ تمام جہان کو قتل کرتا ہے ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعاً اور جو کوئی اس نفس کی جان بچاتا ہے پس گویا وہ تمام جہان کی جان بچاتا ہے (سورۃ مائدہ رکوع ۵)

جو کچھ اوپر بیان ہو چکا ہے اس سے ذرا بھی شک نہیں رہتا کہ اسلام کی اشاعت بذریعہ شمشیر نہیں ہوئی اور نہ اس غرض کیلیے مسلمانوں نے اپنے دشمنوں سے لڑائیاں کیں تلوار صرف انکو روکنے کیلیے اٹھائی گئی تھی جنہوں نے مسلمانوں کے برخلاف پہلے پہل تلوار اٹھائی اور جنکو اگر روکا نہ جاتا تو وہ اسلام کے نام کو بھی صفحہ دنیا سے مٹا دیتے مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ وہ تلوار کو فوراً نیام میں داخل کریں اگر دشمن تعاقب سے باز آجائے کافروں کو بار بار بتایا گیا تھا کہ مسلمان لڑنے سے باز آجاوینگے اگر وہ اپنی تعدیوں سے رک جائیں مُرکردہ بالا آیتیں بالکل صاف بتا رہی ہیں کہ عیسائی واعظ کا قرآن شریف پر یہ الزام لگانا کہ اسنے مسلمانوں کو بذریعہ شمشیر اسلام پھیلانیکا حکم دیا ہے پرلے درجہ کی بے انصافی ہے وہ عمداً ان آیات کے ذکر کو چھوڑتا ہے جو کافروں سے جنگ کرنیکی اجازت کے وجوہ کھلے طور سے بیان کرتی ہیں اور صرف چند متفرق آیات کا ذکر کرتا ہے جنمیں جنگوں کیلیے مسلمانوں کو تحریص دی گئی ہے اور پڑھنے والوں کو یہ سمجھاتا ہے کہ گویا مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ وہ کافروں سے لڑیں تا انکو تہ تیغ کریں یا وہ اسلام قبول کریں میں خیال کرتا ہوں کہ اس الزام کے بے بنیاد ہونیکا کافی ثبوت ہو چکا ہے۔ یہ امر بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ فتح جو مسلمانوں کو نصیب ہوتی تھی وہ مسلمانوں کی طاقت کیوجہ سے نہ تھی بلکہ وہ تائید الٰہیہ تھی جسکا ابتدا میں ہی ان سے وعدہ ہو چکا تھا میں نے پہلے وہ آیات نقل کر دی ہیں جن میں مسلمانوں کو فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنی قلت تعداد دشمن سے خوفزدہ نہ ہوں کیونکہ خدا انکو اپنی خاص تائید سے مدد دیگا اور یہ وعدہ بڑی صراحت کیساتھ پورا ہوا مسلمانوں کی فتح انکے ہتھیاروں کی وجہ سے نہ تھی بلکہ وہ ایک معجزہ تھا جو اللہ تعالےٰ نے ظاہر فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے انکے دشمنوں پر